میٹریکیولیشن کا نصاب اُردو

جو

مجلس نصاب اُردو، جامعۂ عثمانیہ کی ہدایت کے مطابق

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے (علیگ)

آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو

نے مرتب کیا

سنہ ۱۹۲۹ ع

انجمن اُردو پریس۔ اُردو باغ۔ اورنگ آباد (دکن) میں چھپا

طبع دوم دوہزار　　　　قیمت فی جلد ۲ روپیہ

فہرستِ مضامین

اُمید کی خوشی

(سرسید احمد خاں مرحوم)

[سرسید احمد خاں مرحوم جدید ہندوستان کے بہت بڑے اور نامور لوگوں میں سے ہوے ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم میں تعلیمی ' تمدنی' ادبی اور مذہبی اصلاحیں کیں اور مسلمانوں میں بیداری کی روح پیدا کی ۔ ان کی سب سے بڑی یادگار علی گڈھ کالج ہے' جو اب مسلم یونیورسٹی کے درجے کو پہنچ گیا ہے۔

اُردو زبان پر بھی ان کا بڑا احسان ہے ۔ سنجیدہ مضامین کو صاف اور ستھری زبان میں لکھنا سب سے پہلے اُنھوں نے شروع کیا اور دوسروں نے تقلید کی۔

اگرچہ ابتدا میں اُن کے جدید خیالات اور نئی نئی اصلاحوں کی وجہ سے مسلمانوں نے سخت مخالفت کی ' مگر آخر میں وہ اُن کی صداقت ' خلوص اور بے نفسی کی قائل ہوگئے ۔

ولادت سنہ ۱۸۱۷ع میں دہلی میں ہوئی ۔
وفات سنہ ۱۸۹۸ع میں علی گڈھ میں ۔]

اے آسمان پر بھورے بادلوں میں بجلی کی طرح چمکنے والی دھنک ! اے آسماں کے تارو تمھاری خوش نما چمک ! اے بلند پہاڑوں کی آسماں سے باتیں کرنے والی چوٹیو ! اے پہاڑ کے عالی شان درختو ! اے اونچے ٹیلوں کے دل کش بیل بوٹو ! تم بہ نسبت ہماوے پاس کے

درختوں اور سر سبز کھیتیوں اور لہراتی ہوئی نہروں کے کیوں زیادہ خوش نما معلوم ہوتے ہو؟ اس لئے کہ ہم سے بہت دور ہو۔ اس دوری ہی نے تم کو یہ خوبصورتی بخشی ہے، اس دوری ہی سے تمہارا نیلا رنگ ہماری آنکھ کو بھایا ہے؛ تو ہماری زندگی میں بھی جو چیز دور ہے وہی ہم کو زیادہ خوش کرنے والی ہے —

وہ چیز کیا ہے؟ کیا عقل ہے جس کو سب، سب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں؟ ۔ کیا وہ ہم کو آیندہ کی خوشی کا یقین دلاسکتی ہے؟ ۔ ہرگز نہیں، اس کا میدان تو نہایت تنگ ہے ۔ بڑی دوڑ دھوپ کرے تو نیچر تک اس کی رسائی ہے جو سب کے سامنے ہے —

او نورانی چہرے والے یقین کی اکلوتی خوبصورت بیٹی، اُمید! یہ خدائی روشنی تیرے ہی ساتھ ہے، تو ہی ہماری مصیبت کے وقتوں میں ہم کو تسلی دیتی ہے ۔ تو ہی ہمارے آڑے وقتوں میں ہماری مدد کرتی ہے ۔ تیری ہی بدولت نہایت دور دراز خوشیاں ہم کو نہایت ہی پاس نظر آتی ہیں ۔ تیرے ہی سہارے سے زندگی کی مشکل مشکل گھاٹیاں ہم طے کرتے ہیں ۔ تیرے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں ۔ تیری ہی برکت سے خوشی، خوشی کے لئے نام آوری، نام آوری کے لئے بہادری، بہادری کے لئے فیاضی، فیاضی کے لئے محبت، محبت کے لئے نیکی، تیار ہے ۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تیری ہی تابع اور تیری ہی فرماں بردار ہیں —

وہ پہلا گنہگار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اس کو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اس کو گھیرا تو صرف توھی اس کے ساتھہ رھی ، توھی نے اس نا اُمید کو نا اُمید ھونے نہیں دیا ، توھی نے اُس موت میں پھنسے دل کو مرنے نہیں دیا ؛ توھی نے اُس کو اس ذلت سے نکالا اور پھر اُس کو اُسی اعلی درجے پر پہنچایا جہاں کہ فرشتوں نے اُس کو سجدہ کیا تھا —

اُس نیک نبی کو جس نے سیکڑوں برس اپنی قوم کے هاتھہ سے مصیبت اُٹھائی اور مارپیٹ سہی ، تیراھی خوبصورت چہرہ تسلی دینے والا تھا - وہ پہلا نا خدا جب کہ طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اور کچھہ نظر نہ آتا تھا تو توھی اس طوفان میں اس کی کشتی کھینے والی اور اس کا بیڑا پار لگانے والی تھی - تیرے ھی نام سے (جودی) پہاڑ کی مبارک چوٹی کو عزت ھے - زیتون کی ھری ٹہنی کو جو وفادار کبوتر کی چونچ میں وصل کے پیغام کی طرح پہنچی جو کچھہ برکت ھے تیری ھی بدولت ھے —

اے آسمانوں کی روشنی اور اے نا اُمید دلوں کی تسلی اُمید ! تیرے ھی شاداب اور سرسبز باغ سے ھر ایک محنت کا پھل ملتا ھے - تیرے ھی پاس ھردرد کی دوا ھے - تجھی سے ھر ایک رنج میں آسودگی ھے ، عقل کے ویران جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ھوا مسافر تیرے ھی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سایہ کو ڈھونڈتا ھے -

وھاں کی ٹھنڈی ھوا، خوش الحان جانوروں کے راگ، بہتی نہروں کی لہریں اس کے دل کو راحت دیتی ھیں؛ اس کے مرے ھوے خیالات کو پھر زندہ کرتی ھیں، تمام فکریں دل سے دور ھوتی ھیں اور دور دراز زمانے کی خیالی خوشیاں سب آ موجود ھوتی ھیں —

دیکھو، نادان بے بس بچہ گہوارے میں سوتا ھے، اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ھوی ھے اور اس گہوارے کی ڈوری بھی ھلاتی جاتی ھے - ھاتھ کام میں اور دل بچے میں ھے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ھے۔ سو رہ میرے بچے سو رہ - اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سو رہ - اے میرے دل کی کونپل سو رہ- بڑہ اور پھل پھول - تجھہ پر کبھی خزاں نہ آنے پاوے - تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے - کوئی کٹھن گھڑی تجھہ کو نہ آوے - کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے - سو رہ میرے بچے سو رہ - میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور، میرے بچے سو رہ - تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ھوگا - تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ھوگی - تیری شہرت، تیری لیاقت، تیری محبت جو تو ھم سے کرےگا آخر کار ھمارے دل کو تسلی دیں گی - تیری ھنسی ھمارے اندھیرے گھر کا اجالا ھوگی، تیری پیاری پیاری باتیں ھمارے غم کو دور کریں گی، تیری آواز ھمارے لئے خوش آیند راگنیاں ھوں گی۔ سورہ میرے بچے سو رہ - اےھماری امیدوں کے پودے

سو رہ - بولو ' جب اِس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے
تو تم کیا کروگے - تم ہماری بے جان لاش کے پاس کھڑے
ہوگے - تم پوچھو گے اور ہم کچھہ نہ بولیں گے - تم روؤگے
اور ہم کچھہ رحم نہ کریں گے - اے میرے پیارے رونے والے !
تم ہمارے ڈھیر پر آکر ہماری روح کو خوش کرو گے -
آہ ہم نہ ہوں گے اور تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤگے -
اپنی ماں کا محبت بھرا چہرا ' اپنے باپ کی نورانی صورت
یاد کروگے - آہ ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری
محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہوگے - سو رہ میرے بچے سو رہ -
سو رہ میرے بالے سو رہ —

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں ' جب کہ
بچہ غو غاں بھی نہیں کرسکتا تھا مگر جب وہ ذرا بڑا
ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے
لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا اُس کی پیاری آواز ادھورے
لفظوں میں اُس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی '
آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتش محبت کو بھڑکانے کے
قابل ہوا - پھر مکتب سے اُس کو سروکار پڑا ' رات کو اپنی
ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غمزدہ دل سے سنانے
لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھہ کو ہاتھہ
منہ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھہ صبح کی نماز میں
کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گُناہ دل ' بے گُناہ زبان سے ' بے ریا
خیال سے ' خدا کا نام پکارنے لگا تو امید کی خوشیاں اور
کس قدر زیادہ ہوگئیں - اُس کے ماں باپ اُس معصوم سینے

سے سچی همدردی دیکھہ کر کیسے خوش هوتے هیں۔
او هماری پیاری اُمید تو هی هے جو مہد سے لحد تک همارے
ساتھہ رهتی هے —

دیکھو! وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا
روتا هے - اُس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں سے
غایب هوگیا هے - وہ اُس کو ڈھونڈتا هے پر وہ نہیں ملتا -
مایوس هے پر امید نہیں ٹوٹی - لہو بھرا ' دانتوں پھٹا '
کُرتا دیکھتا هے پر ملنے سے نا اُمید نہیں - فاقوں سے خشک
هے ' غم سے زار نزار هے ' روتے روتے آنکھیں سفید هوگئی
هیں ' کوئی خوشی اُس کے ساتھہ نہیں هے ' مگر صرف
ایک امید هے جس نے اُس کو وصل کی اُمید میں زندہ
اور اس خیال میں خوش رکھا هے —

دیکھہ وہ بے گُناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں ' ساتھہ
خانوں میں بند هے - اُس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ
زرد هے - بے یار و دیار غیر قوم غیر مذهب کے لوگوں
کے هاتھہ میں قید هے - بڈھے باپ کا غم اُس کی روح
کو صدمہ پہنچاتا هے - عزیز بھائی کی جدائی اُس کے دل
کو غمگین رکھتی هے - قید خانے کی مصیبت ' اُس کی تنہائی '
اُس گھر کا اندھیرا اور اُس پر اپنی بیگناهی کا خیال
اُس کو نہایت هی رنجیدہ رکھتا هے - اُس وقت کوئی اُس
کا ساتھی نہیں هے - مگر اے همیشہ زندہ رهنے والی اُمید!
تجھی میں اُس کی خوشی هے —

وہ دلاور سپاهی لڑائی کے میدان میں کھڑا هے - کوچ

پر کوچ کرتے کرتے تھک گیا ہے - ہزاروں خطرے در پیش ہیں مگر سب میں تقویت تجھی سے ہے - لڑائی کے میدان میں جب کہ بہادروں کی صفیں چپ چاپ کھڑی ہوتی ہیں اور لڑائی کا میدان ایک سن سان کا عالم ہوتا ہے ' دلوں میں عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرات ہوتی ہے - اور جب کہ لڑائی کا وقت آتا ہے اور لڑائی کے بگل کی آواز بہادر سپاہی کے کان میں پہنچتی ہے اور وہ آنکھہ اُتھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہے ؛ اور جب کہ بجلی سی چمکنے والی تلواریں اور سنگینیں اُس کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشیں پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپوں کی آواز سنتا ہے ؛ اور جب کہ اپنے ساتھی کو خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہے ' تو اے بہادروں کی قوت بازو اور اے بہادروں کی ماں ! تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اُن کے دلوں کو تقویت دیتا ہے - اُن کا کان نقارے میں سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہے —

وہ قومی بھلائی کا پیاسا اپنی قوم کی بھلائی کی فکر کرتا ہے ' دن رات اپنے دل کو جلاتا ہے ' ہر وقت بھلائی کی تدبیریں ڈھونڈتا ہے ' اُن کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کرتا ہے ' یگانوں بیگانوں سے ملتا ہے ' ہر ایک کی بول چال میں اپنا مطلب ڈھونڈتا ہے ' مشکل کے وقت ایک بڑی مایوسی سے مدد مانگتا ہے ' جن کی بھلائی چاہتا ہے

اُنھیں کو دشمن پاتا ھے - شہری وحشی بتاتے ھیں؛ دوست آشنا دیوانہ کہتے ھیں؛ عالم فاضل کُفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ھیں؛ بھائی بند' عزیز اقارب سمجھاتے ھیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ھو رھتے ھیں :—

وہ بھلا کس کی بات مانے ھیں
بھائی سید تو کچھہ دیوانے ھیں

ساتھی ساتھہ دیتے ھیں مگر ھاں ھاں کر کر' محنت اور دل سوزی سے دور رہ کر' بہت سی ھمدردی کرتے ھیں پر کوتھی کٹھلے الگ کر کر - دل ھر وقت بے قرار ھے' کسی کو اپنا سا نہیں پاتا ' کسی پر دل نہیں ٹھیرتا ' مگر اے بے قرار دلوں کی راحت اور اے شکستہ خاطروں کی تقویت ! تو ھی ھر دم ھمارے ساتھہ ھے ' تو ھی ھمارے دل کی تسلی ھے ' تو ھی ھماری کٹھن منزلوں کی ساتھی ھے ' تیری ھی تقویت سے ھم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں گے ' تیرے ھی سبب سے گوھر مراد کو پاویں گے - او ھمارے دل کی عزیز اور ھمارے پیارے سید کی پیاری " اُمید " ! تو ھمیشہ ھمارے دل کی تسلی رہ —

اے ھمیشہ زندہ رھنے والی اُمید ! جب کہ زندگانی کا چراغ ٹمٹماتا ھے اور دنیاوی حیات کا آفتاب لب بام ھوتا ھے ' ھاتھہ پاؤں میں گرمی نہیں رھتی ' رنگ فق ھوجاتا ھے' منہ پر مردنی چھائی ھے ' ھوا ھوا میں ' پانی پانی میں ' متی متی میں ملنے کو ھوتی ھے تو تیرے ھی سہارے سے وہ کٹھن گھڑی آسان ھوتی ھے —

اُس وقت اس زرد چہرے اور آہستہ آہستہ ہلتے ہوے ہونٹوں اور بے خیال بند ہوی ہوی آنکھوں اور غفلت کے دریا میں ڈوبتے ہوے دل کو تیری یادگاری ہوتی ہے' تیرا نورانی چہرہ دکھائی دیتا ہے' تیری صدا کان میں آتی ہے۔ اور ایک نئی روح' تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ایک نئی لازوال زندگی کی جس میں ایک ہمیشہ رہنے والی خوشی ہوگی' اُمید ہوتی ہے —

یہ تکلیف کا وقت تیرے سبب سے ہمارے لئے موسم بہار کی آمد آمد کا زمانہ ہوجاتا ہے۔ اس لازوال آنے والی خوشی کی اُمید تمام دنیاوی رنجوں اور جسمانی تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے اور غم کی شام کو خوشی کی صبح سے بدل دیتی ہے' گو کہ موت ہر دم جتاتی ہے کہ مرنا بہت خوف ناک چیز ہے —

او ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی دوسری دنیا جس میں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے' جہاں سورج کی کرن اور زمانے کی لہر بھی نہیں پہنچی' تیری راہ تین چیزوں سے طے ہوتی ہے؛ ایمان کے توشے اور اُمید کے ہادی اور موت کی سواری سے۔ مگر اُن سب میں جس کو سب سے زیادہ قوت ہے وہ ایمان کی خوبصورت بیٹی ہے' جس کا پیارا نام ''اُمید'' ہے —

لوگ کہتے ہیں کہ بے یقینوں کو موت کی کٹھن گھڑی میں کچھ اُمید نہیں ہوتی' مگر میں دیکھتا ہوں کہ تیری بادشاہت وہاں بھی ہے۔ قیامت پر یقین نہ کرنے

والا سمجھتا ہے کہ تمام زندگی کی تکلیفوں کا اب خاتمہ ہے اور پھر کسی تکلیف کے ہونے کی توقع نہیں ہے - وہ اپنے اُس بے تکلف آنے والے زمانے کی اُمید میں نہایت بردباری سے اور رنجوں کے زمانے کے اخیر ہونے کی خوشی میں نہایت بشاشت سے یہ شعر پڑھتا ہوا جان دیتا ہے :-

بقدر ہر سکوں راحت بود، بنگر تفاوت را
دویدن، رفتن، اِستادن، نشستن، خفتن و مردن

جسمانی ریاضت

از

(مولانا نذیر احمد دہلوی مرحوم)

[مولانا اُردو کے بہت بڑے ادیب گزرے ہیں - الفاظ، محاورات اور امثال کا بڑی بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں — اُن کی زبان میں آمد اور روانی اور زور پایا جاتا ہے — اُن کی کتابیں جو اکثر اخلاقی اور مذہبی ہیں، بہت مقبول ہوئی ہیں - قرآن شریف کا بہت با محاورہ اور اچھا ترجمہ کیا ہے - مراۃ العروس، توبۃ النصوح، فسانۂ مبتلا وغیرہ اُن کی مشہور کتابیں ہیں — وہ بڑے زبردست مقرر بھی تھے — یہ اپنی ذاتی لیاقت اور محنت سے دنیا میں بڑھے اور اعلیٰ مدارج پر پہنچے — حیدرآباد میں بھی بہت بڑے عہدے پر تھے —

مولانا ضلع بجنور میں، ۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۵۲ھ

(۹ - دسمبر سنہ ۱۸۳۶ع) کو پیدا ہوے اور ۳ مئی سنہ ۱۹۱۲ع کو وفات پائی] —

اگر جسم سے بالکل کام نہ لیا جائے تو جس طرح گھوڑا تھان پر بندھے بندھے ہتّے موترے نکال لاتا' بادی میں بھر جاتا' دانہ گھاس اچھی طرح ہضم نہیں کرسکتا' تھوڑی دور چلنے سے ہانپنے لگتا' کوس دو کوس دوڑانا چاہو تو دوڑ نہیں سکتا' یہی حال آدمی کا ہے کہ اگر وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کام نہیں لیتا تو اگر اور کوئی بیماری اُس کو نہ بھی ستاے یہ کیا تھوڑی بیماری ہے کہ وہ اپاھج ہوجاتا ہے - اسی آرام طلبی کے نتیجے ہیں کہ ہماری عمروں کے اوسط گھٹتے اور ہماری نسلیں کم زور ہوتی چلی جاتی ہیں - خیر کابل کے پٹھانوں اور گوروں کے ساتھ تو ہم ہندوستانی گرگیں کیا مقابلے کریں گے اپنے ہی ملک کے دیہاتی کبھی شہر میں آ نکلتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر عقل حیران ہوجاتی ہے کہ الٰہی یہ بھی آدمی ہیں جن کی کاٹھیاں لوہے کی اور ہاتھ پاؤں پتھر کے ہیں - معلوم ہے کہ ساگ بھوجی اور جوار باجرے کی روٹی کے سواے اور کچھ میسر نہیں آتا - مگر یہ آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ایک دیہاتی کہ سو سوا سو من کی چو بلدی گاڑی ہانکے لئے چلا جا رہا تھا' شہر کی بھیڑ دیکھ کر بیل بھڑکے' گاڑی کا ایک پہیہ نالی میں جاتا رہا- بیلوں نے بہتیرا زور مارا' پہیہ جگہ سے نہ کھسکا' گاڑی بان نے اُتر کر کھو کا سہارا لگا بات کی بات میں گاڑی کو

ایسا دھکا دیا کہ بیچ سڑک میں۔ نہ دیہاتیوں کا پانی نہ شہریوں کا ماءاللحم۔ نہ اُن کا چبینا اور نہ ہمارے بادام پستے۔ بے شک شہر اور دیہات کی آب و ہوا میں بہت بڑا فرق ہے۔ مگر دیہاتیوں کی توانائی اور اُن کا تاناتا پن ہے محنت کی وجہ سے۔ شہر کی ایک تو کثرت آبادی کی وجہ سے آب و ہوا خراب، اس پر محنت مشقت ندارد، جس کو دیکھو بدن پر بوٹی نہیں اور بوٹی ہو تو کہاں سے ہو، بے چارے کو کبھی کُھل کر بھوک نہیں لگتی اور مارے ہوکے کے کچھہ بے اشتہا کھا لیتا ہے تو ہضم نہیں ہوتا۔ اور جو ہم میں پہلوان کہلاتے ہیں سینہ اُبھرا ہوا ہے، قبضے چڑھے ہیں، دیکھنے کو موٹے تازے، داؤ پیچ بھی خوب رواں، مگر اصلی بل بوتا اِن میں بھی نہیں۔ اِس پر ایک حکایت یاد آئی ہے کہ جن دنوں قلعہ آباد تھا تو سلاطین کو سوائے اوقات گزاری کے اور کوئی کام نہ تھا۔ نکمے بیٹھے بیٹھے اُن کو ایسے ہی مشغلے سوجھتے تھے کہ ستار بجا رہے ہیں یا بٹیریں لڑا رہے ہیں یا شطرنج کھیل رہے ہیں یا اِس کی دھن ہے کہ کوئی ایسی قسم کا کھانا پکوائیے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ چنانچہ ایک صاحب عالم کو پہلوانوں کی کُشتی دیکھنے کا بہت شوق تھا، بہت سے پہلوانوں کے راتب باندھے تھے اور اُنھوں نے ایسی ایسی جوڑیں تیار کی تھیں کہ رجواڑوں میں جا جا کر کُشتیاں مارتے تھے۔ ایک مصاحب کو یہ سوجھی کہ ان دنوں ولایتی میوہ فروش آئے ہوے ہیں، کسی ولایتی کو ایک

پہلوان سے لڑوایا جائے - صاحب عالم اس ایجاد کو سن کر پھڑک گئے اور فرمایا : " بھائی کی والدہ تخت کی قسم ہے کیا بات پیدا کی ہے، معمولی کشتیاں دیکھتے دیکھتے جی اُکتا گیا، ولایتی کی کشتی میں مزہ تو خوب آئے گا - دیکھیں وہ پیچ کا کیا توڑ کرتا ہے - داروغہ جی دینا ان کو ایک دوشالہ، اور بھائی تم ہی اس کشتی کا اهتمام بھی کرنا اور میں حضور میں بھی عرض کروں گا، سر فراز فرمائیں گے"۔ مصاحب : - " پیر مرشد، سر فراز فرمانا کیسا، بہت محظوظ ہوں گے اور خانہ زاد نے جو جو کچھ عرض کیا ہے حرف حرف اس کی تصدیق ہو جائے گی - سرکار کو تو معلوم ہے کہ جناب عالیہ کے آب خاصہ کی خدمت غلام کی خالہ جان کو ہے، وہ کل بھی کہتی تھیں کہ جناب بیگم صاحبہ بیٹھی تاش کھیل رہی تھیں، دیکھتے کیا ہیں کہ حضور والا تشریف لئے چلے آ رہے ہیں - جناب عالیہ کے ساتھ تخلیہ ہوا تو خالہ جان نے اپنے کانوں حضور کو سرکار کا نام لے کر فرماتے سنا کہ ساری ادائیں اورنگ زیب کی سی ہیں - سپاہیانہ مزاج واقع ہوا ہے اور شوق بھی ہیں تو اس قسم کے کہ اگر موقع ملا تو یہ لڑکا انگریزوں سے ملک آبائی اُگلوا کر رہے گا " —

اتنا کہنا تھا کہ صاحب عالم نے بڑے دنگل کی تیاری کا حکم دیا اور مصاحبوں کی بن آئی - نہیں معلوم ظالموں نے کیا تہ بیریں کیں کہ ایک اکھڑ وحشی ولایتی کو کچھ دے کر شاہی پہلوان کے ساتھ لڑنے کو راضی کر لیا۔

ولایتی کو ہم نے بھی دیکھا تھا ' سچ تو یہ ہے کہ مارے دہشت کے نظر نہیں ٹھیرتی تھی - آدمی کا ہے کو تھا ' ایک دیو کا دیو تھا - بالوں کی لٹیں کندہ ہوں تک لٹکتی ہوئیں ' میلے کثیف کپڑے ' چار چار پانچ پانچ گز سے مست دنبے کی سی بو ایسی سخت کہ ناک نہ دی جائے ' پیٹھہ پر هینگ کا مشکیزہ ' ادھر جوتیوں سے ادھر مشکیزے سے چپڑ چپڑ کی آواز چلی آے ' خونخوار آنکھیں ' ڈراؤنی صورت - لوگ جو اُس کو بہلا پھسلا کر لاے تھے اس کے گردا گرد ایسے معلوم ہوں جیسے بڑے آدمی کے آگے بچے - اور یہاں اکھاڑے میں پہلوان پڑے جھوم رہے تھے ' کوئی ڈنڈ پیل رہا ہے اور کوئی تین سوا تین من کی جوڑی کے رومالی هاتھہ اس خوبصورتی اور صفائی سے ہلا رہا ہے کہ سارے تماشائیوں کی ٹکٹکی اس پر بندھی ہے - کوئی لیزم کی کثرت کر رہا ہے' کوئی بنیٹھی کے کرتب دکھا رہا ہے- اتنے میں توغل ہوا کہ وہ پٹھان آیا - جو اس کو لاکر اکھاڑے کے پاس کھڑا کیا ' اس کا پھیلاؤ کو دیکھہ کر پہلوانوں کا رنگ فق ہوا - اب کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ موت کے مونہ میں جائے اور ولایتی ہے کہ زمین میں آلتی پالتی مارے هینگ کے مشکیزے کا گاؤ تکیہ بنائے نظر حیرت و تعجب سے سب کو بیٹھا دیکھہ رہا ہے ' اور ان پہلوانوں کو سمجھتا ہے کہ نٹوں کا تماشا کر رہے ہیں - اکھاڑے کا استاد اگرچہ تھا تو عمر سے اترا ہوا مگر اس کا بدن ایسا سر تب تھا اور اس کو ایسے ایسے داؤں گھات یاد تھے کہ یکا یک

کوئی اُس سے لڑنے کی ھامی نہیں بھرتا تھا - مگر وہ خوب جانتا تھا :—

فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگرست

اُس نے چپکے سے صاحب عالم کے پاس جا کر عرض کیا کہ آج تک آپ کے اکھاڑے نے کس سے نیچا نہیں دیکھا اور استاد کی برکت سے ھمارے یہاں کے پٹھے بھی اپنے وقت کے رستم و اسفندیار ھیں - لیکن سرکار راجرس کے چاقو کو قصائی کے بغدے سے بھڑاتے ھیں' ساری عمر ھم نے سرکار کا نمک کھایا' حکم کی تعمیل میں مجال عذر نہیں ' پچھڑیں گے تو نہیں مگر اُس کے ھاڑ تو ملاحظہ کیجئے کہ کلائی دونوں ھاتھوں میں سمانی مشکل ھے - سر کار کو جان ھی لینی منظور ھے تو بسم اللہ اُس کا دبوچا ھوا آدمی پھٹکا بھی تو نہیں کھانے کا - اونٹ کی پکڑ کو اس کی پکڑسےکیا نسبت - صاحب عالم سمجھے تو سہی مگر سارے میں غل مچوا چکے تھے' کس طرح کشتی کو ملتوی کر دیتے - بارے لوگوں نے ولایتی سے کہا کہ آغا ان لوگوں میں جس کے ساتھ تمھارا جی چاھے کشتی لڑو —

(آغا) : - ھم سب کے ساتھ لڑے گا —

اب تو پہلوانوں کے دم میں دم آیا کہ خیر ایک کی دوا دو - استاد اور شاگرد سارے کا سارا اکھاڑا اکیلے کو لپٹ پڑا - جو جو داؤں پیچ یاد تھے سبھی نے چلائے - آغا ھیں کہ قطب ازجا نجنبد' لوھے کی لاٹ کی طرح گڑے ھوے کھڑے ھیں - ان لوگوں نے نادانی یہ کی کہ آغا سے گتھ گئے' اس نے

سرقع پاکر ایک کو تو اس بغل میں دابا اور دوسرے کو دوسری بغل میں، اس نے تو اپنے نزدیک آهسته هی دبایا تھا مگر ان میں کا ایک تو آج تک کوب لئیے پھرتا ہے اور دوسرا مدتوں خون تھوکتا رها، اب سنا اچھا تو هو گیا هے مگر جاڑے کے دنوں میں مارے پسلیوں کے درد کے بیچارے سے سانس نہیں لیا جاتا - خیر بنی آدم میں یه ولایتی پٹھان تو اور هی نسل کے هیں اور ان کی سی بات حاصل کرنی تو مشکل بلکه محال هے مگر اس کی عقلی دلائل موجود هیں که اگر هم اپنے طرز تمدن میں صفائی کے قاعدوں کی پوری پوری رعایت کریں اور جسمانی ریاضت کی عادت ڈالیں تو آینده کی نسلیں بہت بہتر هو سکتی هیں - یه سچ هے که هم لوگ گرم ملک کے رهنے والے ٹھہرے۔ هم کو خدا نے محنت کے لئیے پیدا نہیں کیا اور نه هم سے محنت کا تحمل هو سکتا هے، لیکن اگر شاقه محنت نه هو تو جس قدر برداشت کی جا سکتی هے، وه بھی سو دوا کی ایک دوا هے اور پھر نه هادی لگے نه پھٹکری —

طرز کلام

از

(مولانا محمد عبدالحلیم (شرر) لکھنوی مرحوم)

[مولانا شرر اردو کے مشہور انشا پرداز، ناول نویس اور مورخ ہیں - جدید طرز کے ناولوں کا چرچا اِنھیں کی ذات سے ہوا - ان کے ناول زیادہ‌تر تاریخی ہیں جن کے مطالعہ سے اُردو داں طبقے میں تاریخ کا بھی ذوق پیدا ہوا - دلگداز ان کا مشہور ماہانہ رسالہ ہے جو اب تک جاری ہے- ان کے مضامین اور تصانیف بہت کثرت سے ہیں ۔ ملک العزیز ورجنا ، فردوس بریں ، ایام عرب، تاریخ سندھ وغیرہ اِن کی مشہور کتابیں ہیں - ان کے مضامین آٹھ جلدوں میں الگ چھپے ہیں ۔ مولانا نے اُردو زبان کی بہت خدمت کی ہے —

ولادت ۱۳ - جنوری سنہ ۱۸۶۰ ع وفات ۲۴ - دسمبر سنہ ۱۹۲۶ ع]

آداب معاشرت میں ایک اہم چیز انداز گفتگو اور طرز کلام ہے — دنیا میں ہر شخص کو شایستگی اور ادبی قابلیت کا پہلا اندازہ اُس کے الفاظ اور اُس کے انداز گفتگو سے ہوتا ہے ۔ دنیا کی ہر اقبال مند قوم سب سے

پہلے اپنی زبان کی اصلاح کرتی اور اسے ترقی دیتی ھے -

تہذیب و شایستگی کا تقاضا یہ ھے کہ زبان پر مکروہ و فحش الفاظ نہ آئیں' جو الفاظ و خیالات مخاطب کو ناگوار گزریں اُس کے سامنے زبان سے نہ نکلیں - اور کبھی اگر ناگوار مضامین کے ظاھر کرنے کی ضرورت بھی پیش آے تو وہ ایسے الفاظ اور ایسے عنوان سے ادا کئے جائیں کہ مخاطب کو گراں نہ گزریں اور اگر گراں گزریں تو اُن کی گرانی میں ایک گونہ گوارائی اور لطف پیدا ھو جاے - اس بارۂ خاص میں اھل زبان لکھنؤ اور یہاں کے شایستہ لوگوں کو جو کمال حاصل ھے ھندوستان کے اور کسی شہر والوں میں نہ نظر آئے گا - اگرچہ موجودہ تعلیم و تہذیب نے ایک حد تک یہ خوبی ھر جگہ انداز گفتگو میں پیدا کردی ھے مگر انگریزی اثر سے معرّیٰ کر کے دیکھئے تو بالذات یہ شایستگی وشستگیٔ زبان اھل لکھنؤ ھی کا حصہ نظر آے گی —

شایستگیٔ زبان میں سب سے پہلی چیز یہ ھے کہ مخاطب کو کن ضمائر سے یاد کیا جائے - اور سب زبانوں میں مخاطب کے لئے دو ضمیریں ھیں' ایک واحد کی اور ایک جمع کی- اور معزز مخاطب کے لئے واحد کی جگہ ھر زبان میں تعظیماً جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی ھے - فارسی میں واحد مخاطب کی ضمیر "تو" ھے اور جمع کی "شما" - عربی میں واحد کی "ک" اور "انت" اور جمع کی "کم" اور "انتم" انگریزی میں واحد کی "داؤ" اور جمع کی "یو" - اور ان سب زبانوں میں معزز مخاطب کو اگرچہ ایک ھی ھو بغرض تعظیم

جمع کی ضمیر سے مخاطب کرتے ہیں۔ چنانچہ فارسی میں "شما" سے، عربی میں "کم" اور "انتم" سے اور انگریزی میں "یو" کے لفظ سے معزز شخص مخاطب کیا جاتا ہے۔ برخلاف ان سب زبانوں کے اُردو میں مخاطب کے لئے واحد کی تو ایک ہی ضمیر "تو" ہے مگر جمع کی دو ضمیریں ہیں "تم" اور "آپ" اور اِن تینوں ضمیروں کے لئے مخاطب کا درجہ اورمرتبہ مقرر ہے۔ ایک بہت ادنیٰ شخص کو "تو" کہیں گے۔ ادنیٰ درجے کے لوگوں میں جو ذرا امتیاز رکھتا ہو اُسے اور اپنے خردوں کو "تم" کہیں گے۔ اور جو ہم رتبہ معزز و تعلیم یافتہ شریف ہو، اُسے "آپ" کہیں گے۔ اگرچہ معزز درجے کے لوگ بے تکلفی میں اپنے اقران و امثال اور اپنے ہم سنوں کو بھی "تم" کہنے لگتے ہیں مگر جن لوگوں سے بے تکلفی نہ ہو اُن کو "تم" کہنا اُردو میں اخلاقی و ادبی جرم ہے —

اُردو زبان میں اور خاص لکھنؤ والوں میں مخاطب کے اتنے ہی درجے نہیں بلکہ اِن سے بڑھ کے بہت سے الفاظ ہیں جن کا شرفا و معززین کے مقابلے میں استعمال کرنا لازمی ہے۔ جناب، جناب والا، جناب عالی، حضرت، حضرت والا، حضور، حضور والا، حضور عالی، قبلہ، قبلہ وُ کعبہ، سرکار اور اِسی قسم کے چند اور الفاظ اردو میں معزز مخاطب کی نسبت حسب درجہ استعمال کئے جاتے ہیں، جو لکھنؤ والوں کی زبانوں پر چڑھے ہوے ہیں اور اُن کا صحیح استعمال جس قدر اہل لکھنؤ جانتے ہیں اور کسی دوسرے شہر کے لوگ نہیں جانتے —

ہمارا دعویٰ ہے کہ اتنے تعظیمی الفاظ خطاب دنیا کی
کسی زبان میں نہیں ہیں - ہندوستان میں وہ زمانہ گزر
گیا جب اُردو یہاں کی تمام زبانوں کی ادب آموز تھی
اور اب اُردو کی شاگردی سے آزاد ہو کے سب زبانیں
کوس لمن الملکی بجا رہی ہیں - بنگالی ' پنجابی ' گجراتی '
سندھی ' مرھٹی ' تمرّی ' تلنگی وغیرہ سب کو اپنی ادبی
ترقی و فصاحت کا دعویٰ ہے ؛ مگر ہم مذکورہ ہندوستانی
زبانوں کو اور اُن کے ساتھ ساری دنیا کی مشہور زبانوں
فارسی ' عربی ' انگریزی اور فرانسیسی کو بھی چیلنج
دیتے ہیں کہ اگر اُن کو اُردو سے زیادہ ادبی وسعت
وفصاحت کا دعویٰ ہے تو مخاطب کے لئے اپنی لغتوں میں
اتنے الفاظ نکال دیں جتنے اُردو میں موجود ہیں - سچ
یہ ہے کہ باوجود اپنی کم عمری اور اپنے محدود رقبۂ
تصرف کے اُردو چند ہی روز میں شایستگی ' لطافت'
ادب اور مناسبات علم مجلس کے اعتبار سے اس درجۂ
کمال کو پہنچ گئی تھی جو دنیا کی کسی زبان کو نہیں
حاصل ہے - اصل حقیقت یہ ہے کہ اُردو کسی ملک ' کسی
صوبے ' کسی گروہ ' کسی مذہب کی زبان نہ تھی ' بلکہ یہ
وہ زبان تھی جو شاہی دربار سے شروع ہو کے ہندوستان
کے ہر شہر میں مہذب و شایستہ لوگوں ' نکھری صحبت
والوں ' صاحبان علم و فضل ' شاعروں اور ادب و اخلاق کے
شیداؤں کی زبان پر جاری ہوگئی تھی - لہذا اِس کی
بنیاد ہی تہذیب و شایستگی کے ہاتھوں سے پڑی اور آخر

تک نکھرے مذاق والوں اور شیدایان سخن کے ساتھ مخصوص رھی - اسی کا نتیجہ ھے کہ اُردو بولنے والوں کی مجاورتی (کثرت) کسی صوبے میں نہیں، مگر یاد رکھنا چاھئے کہ ھر جگہ کے مہذب و شایستہ لوگ اس کے بولنے والے ھیں - یہ پیدا اسی لئے ھوی تھی کہ ھندوستان میں ایک اعلیٰ درجہ کی اور ساری دنیا سے زیادہ شایستہ سوسائٹی پیدا کردے - مگر بد نصیبی سے انگریزی دور میں جب مغربی معاشرت و ادب نے جگہ پکڑی تو ھندوستانیوں کے باھمی اور قدیم فطری تعصبات نے یہ رنگ دکھایا کہ مسلمان اِس پر ناز کرنے لگے کہ ھماری زبان ھے اور ھندوؤں نے یہ خیال کرکے کہ اس زبان میں ھم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے، اُسے مسلمانوں ھی کے سر مارا اور دامن جھٹک کے علحدہ ھو گئے - اس سے اُردو کو نقصان پہنچا اور روز بروز زیادہ نقصان پہنچے گا، مگر باوجود اس کے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو رسیلا پن اور ادبی خوبیاں اس میں ھیں نہ نئی پیدا کی ھوئی ھندی زبان میں ھیں اور نہ ھندوستان کی کسی اور زبان میں - انگریز ھوں یا عرب، افغانی ھوں یا ایرانی، جب اُردو بولتے ھیں تو مخاطب کے لئے سوا "تم" کے اور کوئی لفظ اُن کے خیال میں نہیں آتا - اس لئے کہ اس قسم کا اور کوئی لفظ جو "تم" سے زیادہ شایستہ و ترقی یافتہ ھو اُن کی زبان میں موجود ھی نہیں ھے —

انگریزی میں خطاب کے اور الفاظ ھیں مثلاً : یورآنر،

یور اکسلنسی ' یور هائینس ' یور مجسٹی وغیرہ مگر وہ اعلی
درجے کے اُمرا اور بادشاہوں کے لئے خاص ہیں ' اِن کے
سوا اور کسی کی نسبت نہیں استعمال کئے جاسکتے - اس
قسم کے مختص الاشخاص الفاظ اُردو میں بھی ہیں - مثلاً
جہاں پناہ ' صاحب عالم' مرشد زادہ ' نواب صاحب ' صاحب زادہ؛
یہ خاص اعلی طبقے کے لوگوں کے خطابات ہیں جن کے ساتھ
جناب یا حضور کے الفاظ ملا کے خطاب کیا جاسکتا ہے اور غالباً
اس قسم کے مخصوص خطابات ہر زبان میں موجود ہوں گے -
مگر مذکورۂ سابق تعظیمی الفاظ جو اُردو زبان میں ہر معزز
و شایستہ انسان کی نسبت استعمال کئے جاسکتے ہیں ' اردو
کے سوا کسی اور زبان میں نہیں نظر آتے -

مزاج پرسی کو دیکھیے - ہر زبان میں اس کے لئے معمولی
الفاظ ہیں' مگر اُردو میں ادب و احترام کی نگہداشت کے
لئے مزاج عالی ' مزاج مبارک ' مزاج اقدس ' مزاج مقدس '
مزاج معلی وغیرہ کہہ کے معزز مخاطب کی خیریت دریافت
کرتے ہیں - یہ الفاظ اگرچہ اب ترقیء اُردو کے ساتھہ ہر جگہ
اور ہر شہر میں پھیل رہے ہیں مگر اِن کے استعمال میں
جو اجتہادی ملکہ شرفائے لکھنؤ کو حاصل ہے اور کسی جگہ
کے لوگوں کو نہیں نصیب ہوسکتا -

———]○(*)○[———

بے غرض محسن

از

(منشی پریم چند)

[منشی صاحب اُردو کے مشہور فسانہ نویس ہیں - اُن کو چھوٹے چھوٹے فسانے لکھنے میں بڑا کمال ہے - اس قسم کے جدید طرز کے چھوٹے قصے لکھنے کا رواج انھوں ھی نے دیا - اگرچہ اب اور بھی کئی انشا پرداز اس قسم کے فسانے لکھنے لگے ھیں مگر ان کو کوئی نہیں پہنچتا - انسانی جذبات کو بڑی خوبی سے بیان کرتے ھیں - ان کے اکثر قصے بہت موثر اور پُر درد ھیں -]

(۱)

ساون کا مہینہ تھا، ریوتی رانی نے پاؤں میں مہندی رچائی، مانگ چوٹی سنواری اور تب اپنی بوڑھی ساس سے جاکر بولی "اماں جی! آج میں بھی میلا دیکھنے جاؤں گی" -

ریوتی، پنڈت چنتامن کی بیوی تھی - پنڈت جی نے سرسوتی کی پوجا میں زیادہ نفع نہ دیکھ کر لکشمی دیوی کی مجاوری کرنی شروع کی تھی - لین دین کا کار و بار

کرتے تھے مگر اور مہاجنوں کے خلاف خاص خاص حالتوں کے سوا ۲۵ فی صدی سے زیادہ سود اپنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔

ریوتی کی ساس ایک بچے کو گود میں لئے کھٹولے پر بیٹھی تھیں ، بہو کی بات سن کر بولی " بھیگ جاؤگی تو بچے کو زکام ھوجائے گا " ۔

ریوتی :- " نہیں اماں ! مجھے دیر نہ لگے گی ، ابھی چلی آؤں گی " ۔

ریوتی کے دو بچے تھے ، ایک لڑکا دوسری لڑکی ۔ لڑکی ابھی گود میں تھی اور لڑکا ھیرامن ساتویں سال میں تھا۔ ریوتی نے اُسے اچھے اچھے کپڑے پہنائے ، نظر بد سے بچانے کے لئے ماتھے اور گالوں پر کاجل کے ٹیکے لگا دئے گڑیاں پیٹنے کے لئے ایک خوش رنگ چھڑی دے دی اپنی ھمجولیوں کے ساتھہ میلا دیکھنے چلی ۔

کیرت ساگر کے کنارے عورتوں کا بڑا جمگھٹ تھا ۔ نیلگوں گھٹائیں چھائی ھوئی تھیں ، عورتیں سولہ سنگار کئے ساگر کے پر فضا میدان میں ساون کی رم جھم ، برکھا کی بہار لوٹ رھی تھیں ۔ شاخوں میں جھولے پڑے تھے ، کوئی جھولا جھولتی ، کوئی ملار گاتی ، کوئی ساگر کے کنارے بیٹھی لہروں سے کھیلتی تھی ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوش گوار ھوا ، پانی کی ھلکی ھلکی پھوار ، پہاڑیوں کی نکھری ھوئی ھریاول ، لہروں کے دل فریب جھکولے ، موسم کو توبہ شکن بنائے ھوئے تھے ۔

آج گڑیوں کی بدائی ہے - گڑیاں اپنی سسرال جائیں گی - کنواری لڑکیاں ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے، گڑیوں کو گھٹیے کپڑے سے سجائے انھیں بدا کرنے آئی ہیں - انھیں پانی میں بہاتی ہیں اور چہک چہک کر ساون کے گیت گاتی ہیں - مگر دامن عافیت سے نکلتے ہی ان ناز و نعمت میں پلی ہوئی گڑیوں پر چاروں طرف سے چھڑیوں اور لکڑیوں کی بوچھار ہونے لگتی ہے —

ریوتی یہ سیر دیکھ رہی تھی اور ہیرامن ساگر کے زینوں پر اور لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں پیٹنے میں مصروف تھا - زینوں پر کائی لگی ہوئی تھی، دفعتاً اس کا پاؤں پھسلا تو پانی میں جا پڑا - ریوتی چیخ مار کر دوڑی اور سر پیٹنے لگی - دم کے دم میں وہاں مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم ہو گیا مگر یہ کسی کی انسانیت تقاضا نہ کرتی تھی کہ پانی میں جا کر ممکن ہو تو بچے کی جان بچائیے - سنوارے ہوئے گیسو نہ بکھر جائیں گے! ڈھلی ہوئی دھوتی نہ بھیگ جائے گی! کتنے ہی مردوں کے دلوں میں یہ مردانہ خیالات آ رہے تھے - دس منٹ گذر گئے مگر کوئی شخص کہر ہمت باندھتا نظر نہ آیا - غریب ریوتی پچھاڑیں کھا رہی تھی - ناگاہ ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا، یہ اژدحام دیکھ کر اُتر پڑا اور ایک تماشائی سے پوچھا: "یہ کیسی بھیڑ ہے؟" تماشائی نے جواب دیا - "ایک لڑکا ڈوب گیا ہے" —

مسافر: "کہاں؟"

تماشائی : " جہاں وہ عورت کھڑی رو رہی ہے ۔" —

مسافر نے فوراً اپنی گاڑھے کی مرزئی آتاری اور دھوتی کس کر پانی میں کود پڑا - چاروں طرف سناٹا چھا گیا لوگ متحیر تھے کہ کون شخص ہے - اس نے پہلا غوطہ لگایا، لڑکے کی ٹوپی ملی - دوسرا غوطہ لگایا تو اس کی چھڑی ہاتھ لگی اور تیسرے غوطے کے بعد جب اوپر آیا تو لڑکا اس کی گود میں تھا - تماشائیوں نے واہ واہ کا نعرہ پرشور بلند کیا - ماں نے دوڑ کر بچے کو لپٹا لیا - اس اثنا میں پنڈت چنتا من کے اور کئی عزیز آ پہونچے اور لڑکے کو ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگے - آدھ گھنٹے میں لڑکے نے آنکھیں کھول دیں، لوگوں کی جان میں جان آئی - ڈاکٹر صاحب نے کہا : اگر لڑکا دو منٹ بھی پانی میں اور رہتا تو بچنا غیر ممکن تھا - مگر جب لوگ اپنے گمنام محسن کو ڈھونڈنے لگے تو اس کا کہیں پتا نہ تھا - چاروں طرف آدمی دوڑائے، سارا میلا چھان مارا مگر وہ نظر نہ آیا —

(۲)

بیس سال گذر گئے، پنڈت چنتا من کا کاروبار روز بروز بڑھتا گیا - اس دوران میں اس کی ماں نے ساتوں جاترائیں کیں اور مریں تو ان کے نام پر ٹھاکر دوارا تیار ہوا - ریوتی بہو سے ساس بنی : لین دین، بہی کھاتہ ہیرا من کے ہاتھ میں آیا - ہیرا من اب ایک وجیہ لحیم و شحیم نوجوان تھا - نہایت خلیق، نیک مزاج، کبھی کبھی

باپ سے چھپا کر غریب آسامیوں کو قرض حسنہ دیا کرتا ۔ چنتا من نے کئی بار اس گناہ کے لئے بیٹے کو آنکھیں دکھائی تھیں اور الگ کر دینے کی دھمکی دی تھی ۔ ہیرا من نے ایک بار ایک سنسکرت پاٹھ شالا کے لئے پچاس روپیہ چندہ دیا ۔ پنڈت جی اس پر ایسے برہم ہوے کہ دو دن تک کھانا نہیں کھایا ۔ ایسے ناگوار واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے ۔ انہیں وجوہ سے ہیرامن کی طبیعت باپ سے کچھہ کھچی رہتی تھی ۔ مگر اُس کی یہ ساری شرارتیں ہمیشہ ریوتی کی سازش سے ہوا کرتی تھیں ۔ جب قصبے کی غریب بدھوائیں یا زمینداروں کے ستائے ہوئے آسامیوں کی عورتیں ریوتی کے پاس آکر ہیرامن کو آنچل پھیلا پھیلا کر دعائیں دینے لگتیں تو اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ مجھہ سے زیادہ بھاگوان اور میرے بیٹے سے زیادہ فرشتہ صفت آدمی دنیا میں کوئی نہوگا ۔ تب اُسے بے اختیار وہ دن یاد آجاتا جب ہیرامن کیرت ساگر میں ڈوب گیا تھا اور اس آدمی کی تصویر اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہوجاتی ' جس نے اس کے لال کو ڈوبنے سے بچایا تھا ۔ اس کے دل سے دعا نکلتی اور ایسا جی چاہتا کہ اسے دیکھہ پاتی تو اس کے پاؤں پر گر پڑتی ۔ اسے اب کامل یقین ہوگیا تھا کہ وہ انسان نہ تھا بلکہ کوئی دیوتا تھا ۔ وہ اب اُسی کھٹولے پر بیٹھی ہوئی جس پر اُس کی ساس بیٹھی تھی ' اپنے دونوں پوتوں کو کھلایا کرتی تھی ۔۔

آج ہیرا من کی ستائیسویں سالگرہ تھی - ریوتی کے لئے یہ دن سال بھر کے دنوں میں سب سے زیادہ مبارک تھا - آج اس کا دست کرم خوب فیاضی دکھاتا تھا - اور یہی ایک بے جا صرف تھا جس میں پنڈت چنتا من بھی اس کے شریک ہو جاتے تھے- آج کے دن وہ بہت خوش ہوتی اور بہت روتی اور آج اپنے گمنام محسن کے لئے اس کے دل سے جو دعائیں نکلتیں وہ دل و دماغ کے اعلیٰ ترین جذبات میں رنگی ہوتی تھیں - اسی کی بدولت تو آج مجھے یہ دن اور سکھ دیکھنا میسر ہوا ہے —

(۳)

ایک دن ہیرامن نے آکر ریوتی سے کہا: "اماں سری پور نیلام پر چڑھا ہوا ہے ' کہو تو میں بھی دام لگاؤں ؟"

ریوتی : "سولہوں آنے ہے ؟" —

ہیرامن: "سولہوں آنے ' اچھا گاؤں ہے ' نہ بڑا نہ چھوٹا ' یہاں سے دس کوس ہے ؛ بیس ہزار تک بولی چڑھ چکی ہے ' سو دوسو میں ختم ہوجائے گا "—

ریوتی : "اپنے دادا سے تو پوچھو ؟ " —

ہیرامن: "ان کے ساتھ دو گھنٹے تک سر مغزن کرنے کی کسے فرصت ہے " —

ہیرا من اب گھر کا مختار کُل ہو گیا تھا اور چنتا من کی ایک نہ چلنے پاتی - وہ غریب اب عینک لگائے ایک گدے پر بیٹھے اپنا وقت کھا نسنے میں صرف کرتے تھے —

دوسرے دن ہیرامن کے نام پر سری پور ختم ہو گیا -

مہاجن سے زمیندار ہوے - اپنے منیب اور دو چپراسیوں
کو لے کر گاؤں کی سیر کرنے چلے - سری پور والوں کو خبر
ہوئی - نئے زمیندار کی پہلی آمد تھی، گھر گھر نذرانہ
دینے کی تیاریاں ہونے لگیں - پانچویں دن شام کے وقت
ہیرامن گاؤں میں داخل ہوے، دہی اور چاول کا تلک
لگایا گیا اور تین سو آسامی پہر رات تک ہاتھ باندھے ہوے
اُن کی خدمت میں کھڑے رہے - سویرے مختار عام نے
آسامیوں کا تعارف کرانا شروع کیا - جو آسامی زمیندار کے
سامنے آتا وہ اپنی بساط کے موافق ایک یا دو روپے ان کے
پاؤں پر رکھدیتا - دوپہر ہوتے ہوتے وہاں پان سو روپوں کا
ڈھیر لگا ہوا تھا —

ہیرامن کو پہلی بار زمینداری کا مزہ ملا؛ پہلی بار
ثروت اور طاقت کا نشہ محسوس ہوا - سب نشوں سے
زیادہ تیز، زیادہ قاتل، ثروت کا نشہ ہے - جب آسامیوں کی
فہرست ختم ہوگئی تو مختار سے بولے : "اور کوئی آسامی
تو باقی نہیں ہے ؟" —

مختار : "ہاں مہراج ابھی ایک آسامی اور ہے؛
تخت سنگھ"

ہیرامن : وہ کیوں نہیں آیا ؟"

مختار : "ذرا مست ہے"

ہیرامن : میں اس کی مستی اُتار دوں گا، ذرا کوئی اسے
بلا لائے"

تھوڑی دیر میں ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا

آیا اور ڈنڈوت کرکے زمین پر بیٹھ گیا؛ نہ نذر نہ نیاز۔
اس کی یہ گستاخی دیکھ کر ہیرامن کو بخار چڑھ آیا،
کڑک کر بولے: "ابھی کسی زمیندار سے پالا نہیں پڑا،
ایک ایک کی ہیکڑی بھلادوں گا" —

تخت سنگھ نے ہیرامن کی طرف غور سے دیکھ کر
جواب دیا: "میرے سامنے بیس زمیندار آئے اور چلے گئے
مگر کبھی کسی نے اس طرح گھرکی نہیں دی" —

یہ کہہ کر اُس نے لاٹھی اُٹھائی اور اپنے گھر چلا آیا۔
بوڑھی ٹھکرائن نے پوچھا: "دیکھا زمیندار کو، کیسے
آدمی ہیں؟"

تخت سنگھ: "اچھے آدمی ہیں، میں اُنھیں پہچان گیا"

ٹھکرائن: "کیا تم سے پہلے کی ملاقات ہے؟"

تخت سنگھ: "میری اُن کی بیس برس کی جان پہچان ہے،
گڑیوں کے میلے والی بات یاد ہے نا؟"

اُس دن سے تخت سنگھ پھر ہیرامن کے پاس نہ آیا۔

(۴)

چھ مہینے کے بعد ریوتی کو بھی سری پور دیکھنے کا
شوق ہوا، وہ اور اُس کی بہو اور بچے سب سری پور
آئے۔ گاؤں کی سب عورتیں اُن سے ملنے آئیں، ان میں
بوڑھی ٹھکرائن بھی تھی۔ اس کی بات چیت، سلیقہ
اور تمیز دیکھ کر ریوتی دنگ رہ گئی۔ جب وہ چلنے لگی
تو ریوتی نے کہا: "ٹھکرائن کبھی کبھی آیا کرنا، تم سے
مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی" اِس طرح دونوں عورتوں

میں رفتہ رفتہ میل ہوگیا۔ یہاں تو یہ کیفیت تھی اور ہیرامن اپنے مختار عام کے مغالطے میں آکر تخت سنگھ کو بے دخل کرنے کی بندشیں سوچ رہا تھا۔

جیٹھ کی پورن ماشی آئی؛ ہیرامن کی سالگرہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ریوتی چھلنی میں میدہ چھان رہی تھی کہ بوڑھی ٹھکرائین آئی، ریوتی نے مسکراکر کہا: "ٹھکرائن! ہمارے یہاں کل تمھارا نیوتا ہے"

ٹھکرائن: "تمھارا نیوتا سر آنکھوں پر؛ کون سی برس گانٹھ ہے؟"

ریوتی: "اُنتیسویں"

ٹھکرائن: "نارائن کرے، ابھی ایسے ایسے سو دن تمھیں اور دیکھنے نصیب ہوں"۔

ریوتی: "ٹھکرائن! تمھاری زبان مبارک ہو۔ بڑے بڑے جنتر منتر کئے ہیں تب تم لوگوں کی دعا سے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ یہ تو ساتویں ہی سال میں تھے کہ اُن کی جان کے لالے پڑ گئے، گُڑیوں کا میلا دیکھنے گئی تھی، یہ پانی میں گر پڑے؛ بارے ایک مہاتما نے اُن کی جان بچائی۔ اِن کی جان اُنھیں کی دی ہوئی ہے۔ بہت تلاش کرایا اُن کا پتہ نہ چلا۔ ہر برس گانٹھ پر اُن کے نام سے سو روپے نکال رکھتی ہوں، دو ہزار سے کچھ اوپر ہوگیا ہے، بچے کی نیت ہے کہ اُن کے نام سے سری پور میں ایک مندر

بنوادیں۔ سچ مانو، ٹھکرائن ایک بار اُن کے
درشن ہوجاتے تو زندگی سپھل ہوجاتی، جی کی
ہوس نکال لیتے" ۔

ریوتی جب خاموش ہوئی تو ٹھکرائن کی آنکھوں سے
آنسو جاری تھے۔

دوسرے دن ایک طرف ہیرامن کی سالگرہ کا جشن تھا
اور دوسری طرف تخت سنگھ کے کھیت نیلام ہورہے تھے۔

ٹھکرائن بولی: "میں ریوتی رانی کے پاس جا کر دھائی
مچاتی ہوں" ۔ تخت سنگھ نے جواب دیا: میرے جیتے
جی نہیں" ۔

(۵)

اساڑھ کا مہینہ آیا: میگھ راج نے اپنی جان بخش
فیاضی دکھائی۔ سری پور کے کسان اپنے اپنے کھیت جوتنے
چلے۔ تخت سنگھ کی حسرتناک اور آرزو مند نگاہیں اُن
کے ساتھ ساتھ جاتیں، یہاں تک کہ زمین انھیں اپنے دامن
میں چھپا لیتی ۔

تخت سنگھ کے پاس ایک گائے تھی، وہ اب دن کے دن
اسے چرایا کرتا۔ اُس کی زندگی کا اب یہی ایک سہارا
تھا۔ کبھی کبھی فاقے کرنے پڑجاتے۔ یہ سب مصیبتیں اُس
نے جھیلیں مگر اپنی بے نوائی کا رونا رونے کے لئے ایک دن
بھی ہیرامن کے پاس نہ گیا۔ ہیرامن نے اسے زیر کرنا چاہا تھا
مگر خود زیر ہوگیا۔ جیتنے پر بھی اُسے ہار ہوئی۔ پرانے لوہے
کو اپنی کمینہ ضد کی آنچ سے نہ جھکا سکا۔

ایک دن ریوتی نے کہا: " بیٹا تم نے غریب کو ستایا اچھا نہ کیا " —

ہیرامن نے تیز ہوکر جواب دیا: " وہ غریب نہیں ہے، اُس کا گھمنڈ میں توڑ دوں گا " —

ثروت کے نشے میں متوالا زمیندار وہ چیز توڑنے کی فکر میں تھا جس کا وجود ہی نہ تھا؛ جیسے بے سمجھ بچہ اپنی پرچھائیں سے لڑنے لگتا ہے —

(۲)

سال بھر تخت سنگھ نے جوں توں کرکے کاٹا - پھر برسات آئی؛ اُس کا گھر چھایا نہ گیا تھا، کئی دن تک موسلا دھار مینہ برسا تو مکان کا ایک حصہ گر پڑا - گائے وہاں بندھی ہوئی تھی، دب کر مر گئی؛ تخت سنگھ کے بھی سخت چوٹ آئی - اسی دن اُسے بخار آنا شروع ہوا، دوا دارو کون کرتا؛ روزی کا سہارا تھا، وہ بھی ٹوٹا - ظالم، بے درد مصیبت نے کچل ڈالا - سارا مکان پانی سے بھرا ہوا، گھر میں اناج کا ایک دانہ نہیں، اندھیرے میں پڑا ہوا کراہ رہا تھا کہ ریوتی اُس گھر گئی - تخت سنگھ نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا: "کون ہے؟"

ٹھکرائن: " ریوتی رانی ہیں " —

تخت سنگھ: " میرے دھن بھاگ! مجھ پر بڑی دیا کی "

ریوتی نے شرمندہ ہوکر کہا: " ٹھکرائن! ایشور جانتا ہے میں اپنے بیٹے سے حیران ہوں، تمہیں جو تکلیف ہو مجھ سے کہو، تمہارے اوپر ایسی آفت پڑگئی اور ہم سے خبر تک نہ کی " —

یہ کہہ کر ریوتی نے روپوں کی ایک چھوٹی سی پوٹلی ٹھکرائن کے سامنے رکھدی —

روپوں کی جھنکار سن کر تخت سنگھ اُٹھ بیٹھا اور بولا : " رانی ہم اِس کے بھوکے نہیں ہیں ' مرتے دم گنہگار نہ کرو " —

دوسرے دن ہیرامن بھی اپنے ہوا خواہوں کو لئے اُدھر سے جا نکلا ' گرا ہوا مکان دیکھہ کر مسکرایا - اِس کے دل نے کہا ' آخر میں نے اُس کا گھمنڈ توڑ دیا - مکان کے اندر جا کر بولا : " ٹھاکر ! اب کیا حال ہے ؟ "

ٹھاکر نے آہستہ سے کہا : " سب ایشور کی دیا ہے ' آپ کیسے بھول پڑے ؟ "

ہیرامن کو دوسری بار زک ملی - اُس کی یہ آرزو کہ تخت سنگھ میرے پاؤں کو آنکھوں سے چومے ' اب بھی پوری نہ ہوئی' اسی رات کو غریب ' آزاد منش ' ایماندار ' بے غرض ٹھاکر اِس دنیا سے رخصت ہو گیا —

(۷)

بوڑھی ٹھکرائن اب دنیا میں اکیلی تھی ' کوئی اِس کے غم کا شریک اور اُس کے مرنے پر آنسو بہانے والا نہ تھا - بے نوائی اور بے مایگی نے غم کی آنچ اور تیز کردی تھی - سامان فراغت موت کے زخم کو گو بھر نہ سکیں مگر موھم کا کام ضرور کرتے ہیں —

فکر معاش بری بلا ہے - ٹھکرائن اب کھیت اور چراگاہ سے گوبر چن لاتی اور اُپلے بنا کر بیچتی - اُسے لاٹھی ٹیکتے

ھوئے کھیتوں کو جاتے اور گوبر کا ٹوکرا سر پر رکھہ کر بوجھہ سے ھانپتے ھوے آتے دیکھنا سخت درد ناک تھا۔ یہاں تک کہ ھیرامن کو بھی اُس پر ترس آ گیا - ایک دن اُنھوں نے آٹا ، دال ، چاول تھالیوں میں رکھہ کر اُس کے پاس بھیجا - ریوتی خود لے کر گئی ، مگر بوڑھی ٹھکرائن آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی " ریوتی ! جب تک آنکھوں سے سوجھتا ھے اور ھاتھہ پاؤں چلتے ھیں مجھے اور مرنے والے کو گنہگار نہ کرو " —

اس دن سے ھیرامن کو پھر اُس کے ساتھہ عملی ھمدردی کرنے کی جرات نہ ھوئی —

ایک دن ریوتی نے ٹھکرائن سے اُپلے مول لئے - گاؤں میں پیسے کے تیس اُپلے بکتے تھے ، اُس نے چاھا کہ اِس سے بیس ھی اُپلے لوں ، اُس دن سے ٹھکرائن نے اُس کے یہاں اُپلے لانا بند کردیا —

ایسی دیویاں دنیا میں کتنی ھیں - کیا وہ اتنا نہ جانتی تھی کہ ایک راز سر بستہ زبان پر لاکر میں اپنی جانکاھیوں کا خاتمہ کرسکتی ھوں ، مگر پھر وہ احسان کا بدلہ نہ ھوجائے گا - مثل مشہور ھے " نیکی کر اور دریا میں ڈال " شاید اُس کے دل میں کبھی یہ خیال ھی نہیں آیا کہ میں نے ریوتی پر کوئی احسان کیا ھے —

یہ وضع دار آن پر مرنے والی عورت شوھر کے مرنے کے بعد تین سال تک زندہ رھی - یہ زمانہ اُس نے جس تکلیف سے کاٹا اُسے یاد کر کے رونگٹے کھڑے ھو جاتے ھیں -

کئی کئی دن فاقے سے گذر جاتے ، کبھی گوبر نہ ملتا ، کبھی کوئی اُپلے چرا لے جاتا - ایشور کی مرضی ! کسی کا گھر بھرا ہوا ھے ، کمانے والے نہیں ؛ کوئی یوں رو رو کر زندگی کاٹتا ھے —

بڑھیا نے یہ سب دکھ جھیلا مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا —

(۸)

هیرامن کی تیسویں سالگرہ آئی - ڈھول کی سہانی آواز سنائی دینے لگی - ایک طرف گھی کی پوریاں پک رهی تھیں ، دوسری طرف تیل کی - گھی کی موٹے معزز برھمنوں کے لئے ، تیل کی غریب فاقہ کش نیچوں کے لئے —

یکا یک ایک عورت نے ریوتی سے آکر کہا " ٹھکرائن جانے کیسی ہوئی جاتی ہیں ، تمہیں بلا رهی هیں " —

ریوتی نے دل میں کہا ، ایشور ! آج تو خیریت سے کاٹنا ، کہیں بڑھیا مر نہ رهی هو —

یہ سوچ کر وہ بڑھیا کے پاس نہ گئی - هیرامن نے جب دیکھا اماں نہیں جانا چاھتیں تو خود چلا - ٹھکرائن پر اُسے کچھ دنوں سے رحم آنے لگا تھا ، مگر ریوتی مکان کے دروازے تک اسے منع کرنے آئی - یہ رحم دل ، نیک مزاج ، شریف ، ریوتی تھی —

هیرامن ٹھکرائن کے مکان پر پہنچا تو وهاں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا - بوڑھی عورت کا چہرہ زرد تھا اور جا نکنی کی حالت طاری تھی - هیرامن نے زور سے کہا

" ٹھکرائن ! میں ہوں ہیرا من " —

ٹکھرائن نے آنکھیں کھولیں اور اشارے سے اسے اپنا سر نزدیک لانے کو کہا ؛ پھر رک رک کر بولی " میرے سرھانے پٹاری میں تھا کر کی ھڈیاں رکھی ہوئی ہیں ' میرے سہاگ کا سیندور ابھی وہیں ہے ' یہ دونوں پراگ راج بھیج دینا " —

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں - ہیرامن نے پٹاری کھولی تو دونوں چیزیں بحفاظت رکھی ہوئی تھیں - ایک پوٹلی میں دس روپے بھی رکھے ہوے ملے' یہ شاید جانے والے کا زاد راہ تھا —

رات کو ٹھکرائن کی تکلیفوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا —

اسی رات کو ریوتی نے خواب دیکھا " ساون کا میلا ہے ' گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں ' میں کیرت ساگر کے کنارے کھڑی ہوں - اتنے میں ہیرامن پانی میں پھسل پڑا ' میں چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی - دفعتاً ایک بوڑھا آدمی پانی میں کودا اور ہیرامن کو نکال لایا - ریوتی اس کے پاؤں پر گر پڑی اور بولی " آپ کون ہیں ؟ " —

اس نے جواب دیا " میں سری پور میں رہتا ہوں ' میرا نام تخت سنگھ ہے " —

سری پور اب بھی ہیرامن کے قبضے میں ہے ' مگر اب اس کی رونق دو چند ہوگئی ہے - وہاں جاو تو دور سے شوالے کا سنہرا کلس دکھائی دینے لگتا ہے - جس جگہ تخت سنگھ کا مکان

ٹھاوھاں یہ شوالا بنا ہوا ہے۔ اس کے سامنے ایک پختہ کنواں اور پختہ دھرم سالہ ہے، مسافر یہاں ٹھہرتے ہیں اور تخت سنگھ کا گُن گاتے ہیں - یہ شوالا اور دھرم سالا دونوں اس کے نام سے مشہور ہیں —

دنیا کی کل علم سے چلتی ہے یا عمل سے ؟

از

(مولانا الطاف حسین، حالی، مرحوم)

(مولانا حالی اردو زبان کے اعلیٰ درجے کے شاعر اور نثر کے نگار ہوے ہیں - اردو شاعری میں مولانا نے بہت بڑا انقلاب پیدا کیا اور نیچرل اور قومی شاعری کی بنیاد ڈالی - اردو زبان میں صحیح تنقید کے بانی بھی آپ ہی ہیں - اُن کی نثر بہت جچی تلی اور متین ہوتی ہے - نظم میں ایسی صفائی، پاکیزگی، درد اور اثر ہوتا ہے جو کسی دوسرے کی نظم میں نہیں پایا جاتا - علاوہ نظم کے کلیات کے مقدمۂ دیوان، حیات جاوید، یادگارِ غالب، حیات سعدی وغیرہ کتابیں پڑھنے کے قابل ہیں جو اعلیٰ شاعری اور نثر کا بہترین نمونہ ہیں —

ولادت بمقام پانی پت سنہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں اور وفات ۳۱ - دسمبر سنہ ۱۹۱۴ ع)

یہاں علم سے ہماری مراد مجرد علم ہے جو عمل سے

بالکل خالی ہو اور عمل سے مراد محض عمل ہے جس میں علم کو کچھہ دخل نہ ہو - اب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی کل علم سے چلتی ہے یا عمل سے ؟ —

اگر ہم کو یہ دریافت کرنا ہو کہ چراغ کی بتی کا اشتعال اوکسیجن سے قائم رہتا ہے یا ہائڈروجن سے یا دونوں سے، تو ہم کو چاہئیے کہ ایک دفعہ بتی کو محض اوکسیجن میں اور دوسری دفعہ محض ہائڈروجن میں رکھہ کر دیکھیں - اگر دونوں میں بجھہ جاے تو سمجھنا چاہئیے کہ ہوا کے دونوں جزوں کو اس کے اشتعال میں دخل ہے اور اگر ہائڈروجن میں بجھہ جائے اور اوکسیجن میں نہ بجھے تو جاننا چاہئیے کہ اس کے اشتعال کا باعث محض اوکسیجن ہے نہ ہائڈروجن —

اسی طرح اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ دنیا کی کل علم سے چلتی ہے یا عمل سے تو ہم کو چاہئیے کہ اول ایک ایسا ملک فرض کریں کہ جس میں اہل علم اور اہل نظر کے سوا کوئی کام کرنے والا اور ہاتھہ پاؤں ہلانے والا نہ ہو؛ اور پھر دیکھیں کہ وہ ملک کے دن آباد رہتا ہے - پھر ایک دوسرا ملک فرض کریں جس میں ان پڑھ محنتی مزدوروں کے سوا اہل علم کا نام و نشان نہ ہو اور پھر دیکھیں کہ وہ ملک آباد رہتا ہے یا نہیں —

اس لئیے ہم اول ایک ایسا خطہ فرض کرتے ہیں جس کے باشندے جہتران عالم، فلسفی، ریاضی داں، مصنف، مقرر، شاعر اور کیا اور کیا ہیں، مگر اُن میں کوئی خدا کا بندہ ایسا

نظر نہیں آتا جو اِن واجب التعظیم اپاہجوں کے کھانے پہننے، اوڑھنے رہنے سہنے، لکھنے پڑھنے وغیرہ کا سامان مہیا کرے - اول تو کسی ملک میں بغیر کارکن جماعتوں کے ایسی آبادی کا وجود میں آنا ہی ناممکن ہے؛ لیکن اگر بفرض محال کسی خطے میں ایسی ناشدنی آبادی چند روز کے لئے آباد ہوجائے تو اُس کا انجام کیا ہوگا؟ - ممکن ہے کہ بعض کو مطالعہ کے ذوق شوق میں ایک آدھ روز بھوک پیاس نہ لگے؛ بعض کو کسی مشکل مسئلہ کے حل ہوجانے کی خوشی میں ایک دو وقت کھانے کی کچھہ پروا نہ رہے؛ اور بعض کو کسی مضمون کی دھن میں کچھہ دیر تک خور و نوش کا مطلق خیال نہ آئے، مگر بہت جلد وہ آپ کو ایک ایسی مخلوق پائیں گے جو بھوکی ہے مگر کوئی اُس کا رزاق نہیں؛ ننگی ہے مگر کوئی اُس کا ستار نہیں؛ حاجتمند ہے مگر کوئی اُس کا قاضی الحاجات نہیں؛ اب یا تو اُنہیں خود اپنے اعلیٰ اور اشرف ہاتھوں سے وہ تمام حقیر اور ذلیل کام سر انجام کرنے پڑیں گے جو عوام کالانعام کو کرنے چاہئیں اور یا فوراً اُس ملک سے ہجرت کرکے کسی ایسے خطے میں جاکر رہنا پڑے گا جہاں اُن کے لئے فرمانبردار بندے یا بندہ پرور خدا موجود ہوں - دونوں حالتوں میں نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا کی کل محض علم سے نہیں چل سکتی —

اِس کے بعد ہم ایک دوسرا ملک فرض کرتے ہیں جس کے تمام باشندے اَن پڑھ اور بے علم مگر سب پرلے درجے کے محنتی اور جفاکش اور اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے

میں سرگرم ھیں - گو اُنھوں نے زراعت یا تجارت یا صنعت و دستکاری کے اُصول کتابوں میں نہیں پڑھے مگر وہ اپنی تمام ضروریات جن پر انسان کی زندگی موقوف ھے مہیا کرتے ھیں - قدرتی خواھشیں اور فطرتی ضرورتیں اُن کو جس طرح سکھاتی گئیں اور متواتر تجربوں سے جس قدر ان کی سمجھ بوجھ بڑھتی گئی وہ اپنے تمام کام برابر سر انجام کرتے رھے - بونا جوتنا، بنج بیوھار، صنعت اور دستکاری، غرض کہ تمام اھم اور ضروری کام رفتہ رفتہ بقدر ضرورت انجام دینے لگے - اب اُن کی کوئی ضرورت بند نہیں رھتی اور کوئی کام اٹکا نہیں رھتا - ایک اناج پیدا کرکے لاتا ھے، دوسرا پیستا ھے، تیسرا پکاتا ھے اور تینوں مل کر کھاتے ھیں - ایک روئی پیدا کرتا ھے، دوسرا کاتتا ھے، تیسرا بُنتا ھے، چوتھا سیتا ھے اور چاروں مل کر پہنتے ھیں - اُن کو چوری یا ڈکیتی کا مطلق خوف نہیں، کیوں کہ اُن کے پاس اپنے ھاتھ پاؤں کی محنت کے سوا کوئی دولت نہیں - اُن کو غنیم کے حملے کا کچھ ڈر نہیں، کیوں کہ وہ اپنے ھاتھ پاؤں سے چوکس اور غنیم کے مقابلے کے لئے مستعد اور تیار ھیں - اُن میں کوئی بدکار بدچلن نہیں، کیوں کہ اُن کو اپنے کام دھندوں میں بدکاری اور بدچلنی کی فرصت نہیں - اُن میں کوئی روگی اور بیمار نہیں کیونکہ اُن میں کوئی طبیب اور ڈاکٹر نہیں - اُن میں کوئی مذھبی تکرار نہیں، کیونکہ اُن میں کوئی واعظ یا ملا نہیں - اُن میں کوئی پولیٹکل اختلاف نہیں، کیونکہ وہ سب کنسرویٹو ھیں،

کوئی اُن میں روشن خیال لبرل نہیں - اُن میں کوئی عدالتی جھگڑا نہیں، کیونکہ اُن میں کوئی وکیل اور بیرسٹر نہیں - اُن میں اِس کے سوا کوئی عیب نہیں کہ وہ متمدن نہیں اور اِس سے صاف ظاہر ھے کہ دنیا کی کل عمل سے چلتی ھے نہ علم سے —

اب فرض کرو کہ اِس ملک کے باشندوں کا میل جول کسی ایسے ملک والوں سے ھوا جن کے تمام کام علمی اُصول پر مبنی ھیں۔ اُنھوں نے زراعت، تجارت، صنعت و دستکاری اور تمام جنگی اور ملکی مہمات میں علم ھی کو اپنا رھبر بنایا ھے - کیا معمار، کیا بڑھئی، کیا لوھار اور کیا کمھار، کیا درزی اور کیا کفش دوز غرض کہ تمام پیشہ ور محض علم کی ھدایت سے اپنے اپنے کام سر انجام کرتے ھیں - ان کے میل جول، لین دین نے اِس ملک کے غریب باشندوں کو سخت نقصان پہنچایا؛ اُن کی تجارت نے اُن کے اخراجات زندگی حد سے زیادہ بڑھادیے؛ اُن کی صنعت سے اِن کی صنعت ماند ھوگئی؛ اُن کی دستکاری نے اِن کی دستکاری کو اپنگ کردیا؛ مگر ایک مدت تک اِن کو اِس بات کی خبر نہ ھوئی کہ ھمارے پیشہ ور کیوں بے کار ھوگئے، ھماری کمائیوں میں برکت کیوں نہیں رھی؛ ھمارے اخراجات روز بروز کیوں بڑھتے جاتے ھیں، اور ھماری آمدنی ھمارے اخراجات کو کیوں مکتفی نہیں ھوتی - لیکن اِس غیر قوم سے جوں جوں میل جول بڑھتا گیا، اُن کو اِن کی اور اِن کو اُن کی زبان سیکھنے کی ضرورت زیادہ ھوتی گئی - اِنھوں نے

اول اُن کی زبان سیکھی ' پھر رفتہ رفتہ اُن کے علم بھی سیکھنے لگے ؛ جن علموں کے ذریعہ سے اُنھوں نے ہر فن میں ترقی کی تھی وہ علم بھی اِنھوں نے حاصل کئے ' مگر کتابی علم کے سوا کوئی عملی فائدہ اُن کے علموں سے نہ اُٹھایا - وہ علم کو عمل کی غرض سے سیکھتے تھے ' اِنھوں نے علم کو محض علم کے واسطے سیکھا - وہ اِس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ علم آدمی کے لئے بنا ہے ؛ مگر یہ بہ مشکل ابھی یہیں تک پہنچے تھے کہ آدمی علم کے لئے بنا ہے - وہ علم سے خود بھی لذت اور فائدہ اُٹھاتے تھے اور اپنے ملک اور قوم کو بھی لذت اور فائدہ پہنچاتے تھے ' اُنھوں نے گونگے کی طرح گُڑ کھایا اور کسی نے نہ جانا کہ کھٹا ہے یا میٹھا - وہ دنیا کی مختلف زبانیں اس لئے سیکھتے تھے کہ تمام عالم میں پھرتے تھے ' غیر ملکوں کے آدمیوں سے ملتے تھے ' مختلف قوموں کے علوم و فنون سے آگاہی حاصل کرتے تھے اور اُن کو اپنی زبان میں نقل کرتے تھے - اِنھوں نے بھی اُن کی دیکھا دیکھی غیر ملکوں کی زبانیں اور غیر قوموں کی بولیاں سیکھیں ' مگر نہ اس لئے کہ غیر ملکوں میں سفر کریں اور غیر قوموں کے علوم و فنون اپنی زبان میں نقل کریں بلکہ اس لئے کہ طوطے کی طرح کہیں " حق اللہ پاک ذات اللہ " بول اُٹھیں اور کہیں " ست گوردت داتا " - وہ لیمپ روشن کرنے کے لئے ' میز لکھنے کے لئے ' کرسی بیٹھنے کے لئے ' گھنٹہ وقت دیکھنے

کے لئے ' فرش بچھانے کے لئے خریدتے تھے ' اِنھوں نے بھی
اُن کی ریس سے یہ سب چیزیں فراہم تو کیں مگر نہ
لمپ کو جلایا ' نہ میز پر لکھا ' نہ کرسی پر بیٹھے ' نہ گھنٹے
میں وقت دیکھا ' نہ فرش بچھایا بلکہ کباڑی کی طرح
سارا گھر اسباب سے بھر لیا —

نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حالت پہلے سے بھی بدتر
ہوگئی ' علم کے ذوق شوق میں انھوں نے ہاتھہ پاؤں
ہلانے بالکل چھوڑ دئے اور علم کا ادب اُن کو دنیا کے
ذلیل کاموں میں ہاتھہ ڈالنے سے مانع ہوا - اب تاوقتیکہ
وہ علم کو عمل کی غرض سے نہ پڑھیں اور اس سے عملی فائدے
نہ اُٹھائیں ممکن نہیں کہ اُن کی حالت درست ہو - اس سے
صاف ظاہر ہے کہ دنیا کی کل علم سے نہیں چلتی بلکہ عمل سے
چلتی ہے - اس تمثیل سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم کو علم کی
ضرورت نہیں ' نہیں بلکہ ہم کو اس وقت علم کی نہایت ضرورت
ہے ' اور ایسی ضرورت ہے جیسے پیاسے کو ٹھنڈے پانی
کی ضرورت ہوتی ہے ' لیکن جس طرح ٹھنڈے پانی کی
کُلیاں کرنے سے پیاس نہیں بجھتی بلکہ اور زیادہ آگ بھڑکتی
ہے ' اِسی طرح سطحیوں کے مانند کتابوں کے الفاظ اور
علموں کی اصطلاحیں یاد کرنے سے اور طوطے کی طرح
علمی مسائل اور قواعد ازبر کرنے سے کوئی شخص نہ
آپ کو اور نہ ملک کو کوئی اصلی فائدہ پہنچا سکتا '
بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگ ملک کے حق میں مضر ثابت
نہوں - جس علم کی ہم کو ضرورت ہے وہ وہ علم ہے

جو ہماری ساکن اور پژمردہ قوتوں کو متحرک اور شگفتہ و شاداب کرے ' نہ وہ علم جو ہمارے متحرک اور شگفتہ قویٰ کو بھی ساکن اور پژمردہ کردے - ایسے علم سے بے علمی سو درجہ بہتر ہے - بقول شخصے :—

" بخشو بی بلی طوطا لنڈورا ہی جئے گا "

اورنگ زیب کی چڑھائی دکن پر

از

(شمس العلما مولوی محمد حسین (آزاد) دہلوی مرحوم)

[آزاد مرحوم دہلی کے رہنے والے اور شیخ ابراہیم (ذوق) کے شاگرد تھے- ان کی اُردو نثر بہت لطیف ہوتی ہے ' تشبیہ و استعارہ کا استعمال بڑی خوبی سے کرتے ہیں- آب حیات' جس میں اُردو کے شاعروں کا تذکرہ ہے ' ایک بے مثال کتاب ہے - اِس کے علاوہ نیرنگ خیال ' دربار اکبری ' قصص ہند حصۂ دوم بھی اُن کی عمدہ تصانیف میں سے ہیں - اگرچہ شاعری میں اُن کا درجہ اعلیٰ نہیں لیکن نیچرل شاعری کی طرف رہنمائی کرنے میں بڑا کام کیا ہے -
ولادت سنہ ۱۸۲۷ ع — وفات سنہ ۱۹۱۰ ع]

اکبر کے آئین اور جہانگیر کی خوش مستیوں نے عہد شاہجہاں کے امن و امان میں پرورش پا کر عجیب و غریب رنگ پیدا کئے تھے - یعنی سلطنت کی شان و شوکت کے

ساتھہ فوج کا بھی ڈھنگ بدل گیا تھا۔ چنانچہ جب دیکھنے والے اُنھیں دیکھہ کر تیموری اور بابری سواروں کا اور ان کی بکتّت یلغاروں کا خیال کرتے تھے تو تعجب آتا تھا۔ لشکر کے ادنی ادنی رسالہ دار کا یہ عالم تھا کہ اُس کے ساتھہ رسالہ ایک دولھا کی برات معلوم ہوتی تھی۔ خیال کرنا چاھئے کہ ایک ایک شاھزادہ کا اور خود بادشاہ کی سواری کا کیا عالم ہوگا! غرض لشکر شاھی نے نشان چڑھایا اور دکن کو روانہ ہوا۔ سب سے پہلے ایک ھاتھی پر علم اژدھا پیکر، پیچھے اُس کے ھاتھیوں پر ھندوستان کا ماھی مراتب، اپنی ولایت کے طوغ و علم برقجی اور فولادی نقارے اور دمامے۔ بعد اُن کے ھزاروں ھاتھی، ھودج عماری سے سجے، سونڈوں میں فولادی زنجیریں لئے، گلے میں ھیکلیں، پیشانیاں شام شفق کی طرح رنگین، اُس پر سنہری رُپہلی ڈھالیں، زربفت کی جھولیں پاؤں تک لٹکتی، کسی پر ھودج کسی پر عماری ریشمی اور کلابتونی رسوں سے کسی، گردنوں پر مہاوت جن کے گلے میں زربفت کی کُرتیاں، سر پر جوڑےدار پگڑیاں، کمر میں کٹار، ایک ھاتھہ میں گجباگ، ایک میں آنکس، جھومتے جھامتے چلے جاتے تھے، آگے پیچھے چرکتی، سانڈنی سوار، بھالے بردار، برچھیت، باندار، فتیلے سلگاتے بھاگے جاتے تھے۔ پھر ھزاروں سواروں کے پرے، سر سے پاؤں تک لوھے میں ڈوبے، بہادر نوجوان ترک بچے، افغان، حبشی، راجپوت دو دو تلواریں باندھے، فولادی خود سروں پر دھرے، کمر میں قرولی

اور کٹار ' پشت پر گینڈے کی ڈھال ' چار آئینے سجے '
کہنیوں تک دستانے چڑھے ' ھاتھہ میں سات گز کا برچھا '
نگاھوں سے خون ٹپکتا ' موچھوں کو تاؤ دیتے ' گھوڑے اڑاتے
چلے جاتے تھے - پھر ھزاروں سانڈنیاں خوش رفتار کہ جن کے
سو سو کوس کے دم ' اِن پر بانکے راجپوت لال پگڑیاں باندھے
زرد انگرکھے پہنے ' آبی بانات کے پاجامے چڑھائے ' ھتھیار لگائے '
مہاریں اٹھائے - جب یہ گزر گئے تو سواری کے خاص خاصے
نظر آئے - عربی ' ترکی ' عراقی ' یمنی ' کاٹھیاواڑ کے دکنی '
چاندی سونے کے بھاري بھاري ساز ' کسی پر جڑاؤ زین
دھرا ' کسی پر چار جامہ کسا ' قجریاں اور پاکھریں پٹھوں
پر پڑیں ' جن میں قاقم و سمور کی جھالر ' کلابتوں کے
پھندنے ' گلے میں سر اگائے کی چوریاں لٹکتیں - سر پر
کلغیاں طلائی اور نقرئی ' ریشمی باگ ڈوریں سائیسوں کے
ھاتھوں میں الیل کرتے اور چوکڑیاں بھرتے جاتے تھے - اُن
کے بعد عربی ' رومی ' تاتاری ' فرنگی ' ھندی باجے ' نقیبوں
اور چوبداروں کے آوازے ' دمامے کی چوٹ کے ساتھہ کڑکیتوں
کے کڑکوں کا وہ خیال بندھا ھوا کہ بزدلوں کے دلوں میں
لہو جوش مارنے لگے - اُن کے بعد احدیوں اور خواصوں کا انبوہ '
کندھوں پر بندوقیں جن پر بانات کے غلاف - پھر خاص
برداروں کا غول ؛ سروں پر کشمیری شالیں بندھی ' کمخواب
کے انگرکھے ' زر بفت کی نیمہ آستین پہنے ' گجراتی مشروع
کے گھٹنے چڑھائے ' اصفہانی تلواریں سونتے ' مرصع قبضے
ھاتھہ میں ' سنہری رُپہلی میان کمر میں - ان کے بعد

سقوں کا غول آیا کہ چھڑکاؤ سے روئے زمین کو تر و تازہ کردیا - غلام اور خواجہ سرا انگیٹھیاں اور عود سوز لئے خوشبوؤں سے دماغ معطر کرتے چلے گئے - پھر ارکان دربار کے جھمگھٹ؛ بیچ میں شاہ خورشید کلاہ سفید داڑھی بڑھاپے کا نور منہ پر ' ہوادار میں سوار ' ساتھ ایک خاصے کا گھوڑا ' پیچھے سونے کی عماری ہاتھی پر دھری ' جریب کا پیمانہ اور کوس کا پیا پڑتا چلا جاتا تھا - سواری سے کوس بھر پیچھے سینکڑوں ہاتھی مست جنگی دیو زاد کی صورت مستکوں پر فولادی ڈھالیں ' ایک کالی گھٹا چلی آتی تھی کہ جس سے بجائے پانی کے مستی ٹپکتی تھی - پیچھے چیتوں کے چھکڑے؛ آنکھوں پر زردوزی دیدہ بند ' کمر میں کلابتونی اور ریشمی حلقے پڑے - ساتھ ہی شکاری کتے ' تازی ' ولائتی ' بودار ' بلڈوگ کہ شیر کا سامنا کریں اور پلنگ سے منہ نہ پھیریں - پیچھے کوسوں تک شاہزادوں اور ارکان دولت کے لشکر ' راجوں مہاراجوں کی فوجیں ' پیادوں کے غول اور سواروں کے رسالے ' رنگا رنگ کے نشان ' جدا جدا پھریرے اڑاتے چلے آتے تھے - بھیرو بنگاہ کا تانتا لگا تھا کہ جس کا صبح سے شام تک خاتمہ نہ تھا —

عبدالرحیم خاں خانخاناں کی فیاضی اور دریا دلی

از

(مولوی محمد حسین (آزاد) دهلوی مرحوم)

خانخاناں جود و کرم کے باب میں بے اختیار تھا - همت اور حوصلے کے جوش فوارے کی طرح اچھلے پڑتے تھے اور عطا اور انعام کے لئے بہانہ ڈھونڈتے تھے - اِس کی امیرانہ طبیعت بلکہ شاهانہ مزاج کی تعریفوں میں شعرا اور مصنفوں کے لب خشک هیں- علما ، صلحا ، فقراء ، مشائخ وغیرہ وغیرہ سب کو ظاهر اور خفیہ هزاروں روپے اشرفیاں ، دولت و مال دیتا تھا اور شعرا اور اهل کمال کا تو مائی باپ تھا- جو آتا اُن کی سرکار میں آکر اِس طرح اُترتا جیسے اپنے گھر میں آگیا اور اتنا کچھ پاتا تھا کہ بادشاہ کے دربار میں جانے کی ضرورت نہ هوتی تھی - مآثرالامرا میں لکھا هے کہ اس کے وقت میں اهل کمال کا وہ مجمع تھا جو سلطان حسین مرزا اور امیر علی شیر کے عہد میں گذرا هے - مگر میں

کہتا ہوں کہ ان کے دربار میں یہ لہر بہر دریاے سخاوت کی کُبھا - کئی شاعروں کو اشرفیوں میں تلوادیا - اس کی سخاوتوں کے کارنامے اکثر لطیفوں اور حکایتوں کے رنگ و بو میں محفلوں اور جلسوں پر پھول برساتے ہیں - میں بھی اس کے گلدستوں سے دربار اکبری کو سجاؤں گا - شعرا نے جتنے قصیدے اِس کی تعریف میں کہے ہیں، اکبر ھی کی تعریف میں کہے ہوں تو کہے ہوں اور اس نے بھی اُنھیں لاکھوں انعام دئیے - گنوان پنڈت، کوی کبیشور بلکہ بھاٹ ہزاروں اشلوک، دھرے، کبت کہہ کر لاتے تھے اور ہزاروں لے جاتے تھے - انعام میں بھی وہ وہ نزاکت و لطافت کے انداز دکھا گیا کہ آئندہ دینے والوں کے ہاتھہ کاٹ ڈالے ہیں - ملا عبدالباقی نے کُل قصائد صحیم البیاض جمع کرکے ایک ضخیم کتاب بنادی ہے - اس میں ہر شاعر کا حال اُس کے قصیدے کے ساتھہ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کس تقریب میں یہ قصیدہ لکھا گیا تھا اور انعام کیا پایا تھا - اُس سے اکثر جزیات تاریخی حالات کے معلوم ہوتے ہیں - (مآثر رحیمی) اُس کا نام ہے -

(لطیفہ) - خانخاناں کا دسترخوان نہایت وسیع ہوتا تھا، کھانے رنگا رنگ کے تکلفات سے رنگین اور اُس کے فیض سخاوت کی طرح اہل علم کے لئیے عام تھے - جب دسترخوان پر بیٹھتا تھا مکانوں میں درجہ بدرجہ صدہا بندگان خدا بیٹھتے تھے اور لذت سے کامیاب ہوتے تھے - اکثر کھانوں کی رکابیوں میں کسی میں کچھہ روپے کسی میں کچھہ اشرفیاں رکھہ دیتے تھے، جو جس کے نوالے میں آئے اُس کی قسمت - آم

تک وہ مثل زبانوں پر ہے - خان خاناں جس کے کھانے
میں بتانا -

(لطیفہ) - ایک دفعہ پیش خدمتوں میں کوئی نیا شخص
ملازم ہوا تھا - دستر خوان آراستہ ہوا ' نعمتہاے گونا گوں
چنی گئیں - جب خان خاناں آکر بیٹھا سیکڑوں امرا اور
صاحب کمال موجود تھے - کھانے میں مصروف ہوے - اس
وقت وہی پیش خدمت خان خاناں کے سر پر رومال ہلا رہا
تھا - یکا یک رونے لگا - سب حیران ہوگئے - خان خاناں نے
حال پوچھا - عرض کی کہ میرے بزرگ صاحب امارت اور
دست گاہ تھے ' میرے باپ کو بھی مہمان نوازی کا بہت
شوق تھا - مجھہ پر زمانے نے یہ وقت ڈالا ؛ اِس وقت آپ کا
دستر خوان دیکھہ کر وہ عالم یاد آگیا - خان خاناں نے
بھی افسوس کیا - ایک مرغ بریاں سامنے رکھا تھا - اس پر
نظر جا پڑی - پوچھا ' بتاؤ مرغ میں کیا چیز مزے کی
ہوتی ہے - اس نے کہا پوست - خان خاناں نے کہا سچ کہتا ہے '
لطف و لذت سے باخبر ہے - مرغ کی کھال اُتار کر پکاؤ تو
کیسا ہی تکلف سے پکاؤ وہ لذت اور نمکینی نہیں رہتی -
بہت خوش ہوا ' دستر خوان پر بٹھا لیا ' دل جوئی کی
اور مصاحبوں میں داخل کردیا -

دوسرے دن دستر خوان پر بیٹھے تو ایک اور خدمتگار
رونے لگا - خان خاناں نے اِس سے بھی سبب پوچھا اس نے جو
سبق کل پڑھا تھا وہی سنادیا - خان خاناں ہنسا اور ایک اور
جانور کا نام لے کر پوچھا. کہ بتاؤ اس میں کیا چیز مزے

کی ہوتی ہے - اس نے کہا پوست - سب لعنت ملامت کرنے لگے - خان خاناں بہت ہنسا - اسے کچھ انعام دے کر کسی اور کارخانے میں بھیج دیا کہ ایسا شخص حضور کی خدمت کے قابل نہیں -

ایک دن ملازموں کی چٹھیاں دستخط کر رہے تھے ' کسی پیادے کی چٹھی پر ہزار دام کی جگہ ہزار روپے لکھدئے ؛ دیوان نے عرض کی ' کہا اب جو قلم سے نکل گیا اس کی قسمت-

ایک دن نظیری نیشاپوری نے کہا کہ نواب میں نے لاکھ روپے کا ڈھیر کبھی نہیں دیکھا کہ کتنا ہوتا ہے -اُنھوں نے خزانچی کو حکم دیا - اس نے سامنے انبار لگا دیا - نظیری نے کہا شکر خدا آپ کی بدولت آج لاکھ روپے دیکھے خانخاناں نے کہا ؛ الله جیسے کریم کا اتنی بات پر کیا شکر کرنا - روپے اسی کو دے دئیے اور کہا خیر اب شکر الہی کرو تو ایک بات بھی ہے -

جہانگیر بادشاہ ایک دن تیر اندازی کررہا تھا ' کسی بھاٹ کی یاوہ گوئی پر خفا ہو کر حکم دیا کہ اسے ہاتھی کے پاؤں تلے پامال کریں - خان خاناں پاس کھڑا تھا - فرقۂ مذکور کی حاضر جوابی اُس کی زباں درازی سے بھی بڑھی ہوتی ہے ؛ اِس نے عرض کی ' حضور ذرۂ ناچیز کے لئے ہاتھی کیا کرے گا ایک چوھے چڑے کا پاؤں بھی بہت ہے - ہاتھی کا پاؤں خان خاناں کے لئے چاھئے کہ بڑا آدمی ہے - جہانگیر نے اُن کی طرف دیکھا کہ اس لفظ نے دل پر کیا اثر کیا - پوچھا کیا کہتے ہو ؟ انھوں نے کہا کچھ نہیں - داروغہ سے

پوچھا کہ تو بتاؤ - خانخاناں خود بولے کہ حضور کے تصدق سے خدا نے مجھ ناچیز کو ایسا کیا کہ یہ بڑا آدمی سمجھتا ھے - میں نے اس وقت شکر خدا کیا اور کہا کہ جب اس کی خطا کی معاف ھوتو پانچ ہزار روپے دے دینا' حضور کی جان و مال کو دعا دے گا —

اهل هند کا خیال ھے کہ سورج ھر شام کو سمیر کے پیچھے چلا جاتا ھے اور وہ ایک سونے کا پہاڑ ھے - اُنھوں نے یہ بھی فرض کیا ھے کہ چکوا چکوی دن کو ساتھ رھتے ھیں' رات کو دریا کے وار پار الگ الگ جا بیٹھتے ھیں اور رات بھر جاگ کر کاٹتے ھیں - ایک بھاٹ نے چکوا چکوی کی زبانی کبت کہا جس کا خلاصہ یہ کہ خدا کرے خانخاناں کا سمند فتوحات سمیر پہاڑ تک جا پہنچے ؛ وہ بڑا سخی ھے' سب بخش دے گا پھر ھمیشہ دن رھے گا اور ھم تم موج کریں گے - جب یہ کبت پڑھا گیا' تمام اهل دربار نے تعریف کی کہ نیا مضمون ھے - خانخاناں نے پوچھا کہ پنڈت جی تمھاری عمر کیا ھے - عرض کی ۳۵ برس - کُل سو برس کی عمر لگائی گئی اور ۵ روپے روز کے حساب سے ۶۵ برس کا روپیہ جو کچھ ھوا خزانہ سے دلوا دیا -

ایک بھوکا برھمن خانخاناں کے دروازے پر آیا' دربان نے روکا - اُس نے کہا کہدو آپ کا ھمزلف ملنے آیا ھے' اور اس کی بی بی ساتھ ھے - خدمت گار نے عرض کی - اُسے بلایا پاس بٹھایا اور رشتہ کا سلسلہ کھولا - اُس نے کہا کہ بپتا اور سنپتا دو بہنیں ھیں' پہلی مر گئی' دوسری آپ کے گھر آئی ھے!

آپ اور میں ھمزلف نہیں تو اور کیا ھیں؟ نواب بہت خوش ھوا، خلعت دیا، خاصہ کے گھوڑے پر طلائی ساز سجواکر سوار کیا اور بہت کچھہ نقد و جنس دے کر رخصت کیا -

ایک دن دربار میں بیٹھا تھا، اھالی و موالی، اھل غرض، اھل مطلب حاضر تھے - ایک غریب شکستہ حال آکر بیٹھا اور جوں جوں جگہ جگہ پاتا گیا پاس آتا گیا - قریب آیا تو ایک توپ کا گولہ بغل سے نکال کر لڑھکایا کہ خانخاناں کے زانو سے آکر لگا - نوکر اس کی طرف بڑھے - اُس نے روکا اور حکم دیا کہ گولے کے برابر سونا تول دو - مصاحبوں نے پوچھا ، کہا یہ قول شاعر کو کسوٹی پر لگاتا ھے -

آھن کہ بپارس آشنا شد　　فی‌الحال بہ صورت طلا شد

ایک دفعہ دربار شاھی سے برھان پور کو رخصت ھوے، پہلی ھی منزل پر ڈیرے تھے - قریب شام سراپردہ کے سامنے شامیانہ لگا ھوا فرش بچھا ھوا، آپ نکل کر کُرسی پر بیٹھے، مصاحبوں ملازموں سے دربار آراستہ، ایک آزاد سامنے سے گزرا اور پکار کر کہتا چلا -

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
هر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

منعم خان ابھی ان کا خطاب ھوچکا تھا اور پہلے منعم خاں کفایت شعار تھے - اُنھوں نے خزانچی کو حکم دیا کہ لاکھہ روپے دیدو - فقیر دعائیں دیتا چلا گیا - دوسری منزل میں اُسی وقت پھر باھر نکل کر بیٹھے - فقیر پھر سامنے سے نکلا اور وھی شعر پڑھا - اُنھوں نے پھر کہہ دیا کہ لاکھہ روپیہ

دیکھو - غرض وہ سات دن برابر اس طرح آتا رہا اور لیتا رہا - پھر آپ ہی دل میں سمجھا کہ یہ انعام آج تک کسی سے نہیں پایا، امیر ہے خدا جانے کبھی طبیعت حاضر نہ ہو، خفا ہوکر کہے کہ سب چھین لو؛ زیادہ طمع اچھی نہیں، اسی کو غنیمت سمجھنا چاہئے - آٹھویں دن خانخاناں پھر اسی طرح نکل کر بیٹھے، معمول سے زیادہ وقت گذرا، دربار برخواست نہ کیا - شام ہوئی تو کہنے لگے کہ آج وہ ہمارا فقیر نہ آیا - خیر برہان پور آگرہ سے ۲۷ منزل ہے، ہم نے تو پہلے دن ۲۷ لاکھ روپیہ خزانہ سے منہا کردیا تھا - تنگ حوصلہ تھا، خدا جانے دل میں کیا سمجھا -

خانخاناں نہایت حسین تھا - اس کی خوبیاں اور محبوبیاں سن کر ایک عورت کو اشتیاق پیدا ہوا، وہ بھی حسین تھی، اُس نے اپنی تصویر کھچوائی اور ایک بڑھیا کے ہاتھ بھیجی - وہ خلوت میں آکر خانخاناں سے ملی اور مطلب کو اس پیرایہ میں ادا کیا :- کہ ایک بیگم کی یہ تصویر ہے اُنھوں نے پیغام دیا ہے کہ آپ کی تعریفیں سن سن کر میرا جی بہت خوش ہوتا ہے، ارمان یہ ہے کہ تمہی جیسا ایک فرزند میرے ہاں ہو - تم بادشاہ کی آنکھیں ہو، زبان ہو دست و بازو ہو، نہیں یہ بات کچھ مشکل نہیں - خانخاناں نے سوچ کر کہا کہ مائی، تم میری طرف سے انھیں کہنا کہ یہ بات تو کچھ مشکل نہیں مگر یہ مشکل ہے کہ خدا جانے اولاد ہو یا نہ ہو اور ہو تو کیا خبر ہے بیٹا ہی ہو اور وہ زندہ بھی رہے - پھر خدا جانے ایسی صورت ہو یا نہ ہو، یہ بھی ہو تو اقبال پر کس کا

زور ہے، خدا چاہے دے خدا چاہے نہ دے - اگر انہیں مجھ جیسے بیٹے کی آرزو ہے تو کہنا کہ تم ماں اور میں بیٹا؛ خدا کا شکر کرو جس نے پلا پلایا بیٹا تمہیں دیا - ماں کو اس قدر روپیہ مہینہ دیتا ہوں وہی تمہیں بھیجا کروں گا -

ایک شخص خانخاناں کے پاس آیا اور یہ قطعہ لکھکر دیا -

اے خان جہاں خانخاناں
دارم صنمے کہ رشک چین است

گر جاں طلبد مضائقہ نیست
زر می طلبد سخن درین است

پوچھا وہ کیا مانگتے ہیں - کہا لاکھ روپیہ - حکم دیا کہ سوا لاکھ دے دو -

ایک دن خانخاں کی سواری چلی جاتی تھی - ایک شکستہ حال غریب نے ایک شیشی میں بوند پانی ڈال کر دکھایا اور اسے جھکایا، جب پانی گرنے کو ہوا تو شیشی کو سیدھا کردیا - اُس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اشراف خاندانی ہے- خانخاناں اسے ساتھ لے آئے اور انعام و اکرام دے کر اُسے رخصت کیا - لوگوں نے پوچھا، کہا کہ تم نہیں سمجھے - اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک بوند آبرو رہی ہے اور اب یہ بھی گرا چاہتی ہے -

ایک دن سواری میں انہیں کسی نے ڈھیلا مارا - سپاہی دوڑ کر پکڑ لائے - انھوں نے کہا ہزار روپیہ دیدو - سب حیران ہوگئے - عرض کی کہ جو نالائق قابل دشنام بھی نہ ہو اُسے انعام دینا آپ کا ہی کام ہے- اُنھوں نے کہا، لوگ پھلے ہوے درخت پر پتھر مارتے ہیں، جو میرا پھل ہے وہ مجھے دینا واجب ہے-

ایک دن سواری سے اُترتے تھے، ایک بڑھیا برا بر آئی - ایک توا اس کی بغل میں تھا، نکال کر ان کے بدن سے ملنے لگی - نوکر هاں هاں کرکے دوڑے - انھوں نے سب کو روکا اور حکم دیا که اسی کے برا بر اسے سو نا تول دو - مصاحبوں نے سبب پوچھا، کہا یہ دیکھتی تھی که بزرگ جو کہا کر تے تھے که بادشاہ اور ان کے امیر پارس هو تے هیں یه بات سچ هے یا نهیں - اور اب بھی ویسے لوگ هیں یا کوئی نهیں رها—

خانخاناں دربار چلے - ایک سوار سپاہ گری کے هتھیار لگائے سامنے آیا اور سلام کیا - انھوں نے حال پوچھا - اس نے کہا که نوکری چاهتا هوں - بانکپن یه که پگڑی میں دو میخیں بھی باندھی هیں - پوچھا که ان میخوں کا کیا معامله هے، اس نے عرض کی که ایک میخ تو اس کے واسطے که نوکر رکھے اور تنخواہ نه دے، دوسری اس نوکر کے واسطے که تنخواہ لے اور کام چوری کرے - خانخاناں نے تنخواہ مقرر کی اور ساتھ لائے - وہ بھی دربار میں آیا - اس کے بانکپن کے انداز کو سب دیکھنے لگے - انھوں نے اس سے پوچھا که انسان کی بہت سے بہت عمر هو تو کتنی هو - اُس نے کہا که عمر طبعی ۱۲۰ برس کی هوتی هے- انھوں نے خزانچی کو حکم دیا که سپاهی کی عمر بھر کی تنخواہ بے باق کردو اور اُس سے کہا لیجئے حضرت، ایک میخ کا بوجھ تو سر سے اتار دیجئے دوسری کا آپ کو اختیار هے —

دربار جا تے تھے - مصور نے تصویر لاکر دی که ایک صاحب جمال عورت هے، نہا کر اُٹھی هے، کرسی پر بیٹھی هے، ایک طرف کو جھکی هوئی سر کے بال پھٹکار رهی هے، لو نڈی پاؤں دهلاتی هے

اور جھانوا کر رھی ھے - خانخاناں اسے دیکھتے ھوئے دربار سے چلے گئے - آکر حکم دیا کہ اس مصور کو بلاو اور پانچ ھزار روپیہ دیدو - مصور نے عرض کی ' انعام تو فدوی جبھی لے گا کہ جو بات حضور قابل انعام خیال فرماویں وہ ارشاد فرماویں - سب مصاحب متوجہ ھوگئے - انھوں نے کہا کہ اس کے لبوں کی مسکراھٹ اور چھرہ کا انداز دیکھا ؟ سب نے کہا کہ دیکھا ' نہایت خوب اور بہت زیبا - خانخاناں نے کہا ' پاؤں کی طرف تو دیکھو ' وہ گدگدیاں ھو رھی ھیں - اس نزاکت اور لطافت پر ۵ ھزار روپیہ کیا حقیقت ھے ' ۵ لاکھ بھی تھوڑا ھے - مصور نے کہا کہ حضور بس انعام پا لیا اور میں آپ کا غلام ھو لیا - تمام امیروں کے پاس لے کر پھرا ' ایک نے یہ نکتہ نہیں پایا ' ھم لوگ قدر شناس کے غلام ھیں —

خانخاناں جب مظفر پر ظفریاب ھو کر آئے تو بادشاہ کے لئے بہت سے عجائب و نفائس خاندیس و دکن اور مما لک فرنگ کے لائے - ان میں عجیب تحفہ یہ تھا کہ رائے سنگھ جھالا علاقۂ گجرات کے راجہ کو حاضر کیا - معلوم ھوا کہ یہ نو جوانی کے عالم میں برات لے کر بیاھنے گیا تھا - جب وھاں سے خوشی کے نقارے بجاتا پھرا تو جستا راجہ (کچھہ) کے چچیرے بھائی کے ملک میں سے گذرا - محلوں کے پاس برات پہنچی تو پیام آیا کہ نقارے نہ بجاؤ یا دور دور نکل جاؤ اور مرد ھو تو تلوار نکالو اور لڑو - اگرچہ سامان ساتھہ نہ تھا مگر رائے سنگھ دولھا کی رائے لڑائی پر جمی اور جہاں تھا وھیں

تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا - جسا جھٹ فوج لے کر آ گئے - بڑا
گُشت و خون ہوا اور جلد میدان جنگ سے نیستی خا نہ
میں داخل ہوئے چھوٹا بھا ئی راؤ صاحب آ یا وہ بھی بڑے
بھا ئی کے پاس پہنچا - راجپوتوں میں رسم ہے کہ جب جوش
میں آ تے ہیں تو تلواریں سوفت کر کود پڑ تے ہیں کہ
شاید گھوڑا بے قابو ہو کر بھا گے یا گھوڑا ران تلے دیکھکر
اپنی ہي نیت بگڑے اور جان لے کر نکل جا ئے - اس لڑا ئی
میں طرفین کے بہادر اسي طرح جانوں سے ہاتھہ اٹھا کر
میدان میں اُتر پڑے تھے - غرض دولھا اور اس کے رفیق
فتح یاب ہو کر موچھوں پر تاؤ دیتے اپنے گھوڑوں پر آ ئے -
سپاہ مغلوب کے پیادے جو گھوڑے لئے کھڑے تھے ' انھیں
جوش آ یا ' گھوڑوں کو چھوڑ کر تلواریں لیں اور پھر میدان
کار زار گرم ہوا ایسا بھاری رن پڑا کہ دولھا زخمی ہو کر
گر پڑا - ایک کو ایک کی خبر نہ تھی ' کسی نے کسی کو نہ
پہچانا کہ کس کی لاش کہاں رهي - دلھا بہت زخمی ہوا تھا
سانس ہی سانس باقی تھی - رات کو کو ئی جو گی اُدھر آ یا
اور اٹھا کر اپنی مٹھ میں لے گیا ' مرهم پٹی کی ' خدا
نے بچا لیا - احسان کا بندہ اس کا چیلا ہو گیا - انیس برس
اس کی خدمت کرتا اور جنگلوں میں پھرتا رہا - گھر اور گھرانے
میں سب کو یہی خیال کہ میدان میں کام آ یا - کئی رانیاں
ستی ہو گئیں ' داھن رانی دل کے سخت اور اس کے خیال میں
خدا کو یاد کر تی تھی کیونکہ مر نے کا بھی یقین نہ تھا -
خانخانان امیروں سے سوا فقیروں اور غریبوں کے یار تھے

ان کی سرکار میں فقیر، امیر، جوگی سب برابر تھے - جوگی جی کے بھی درشن ہوئے اور یہ حال معلوم ہوا - گرو اور چیلے کو دربار میں لے آئے - اکبر بھی ایسے معاملات کے مشتاق رہتے تھے، اس عجیب واردات کو سن کر بہت خوش ہوئے اور انبت چیلا پھر رائے سنگھ راجہ بنکر اعزاز واکرام کے ساتھہ اپنے ملک کو رخصت ہوئے - جب وہاں گئے تو سب اقربا، ملازم جمع ہوے اور دیکھہ کر پہچانا۔بڑی خوشیاں ہوئیں - سب سے سوا رانی نہ شرم بے زبانی سے کچھہ کہہ نہ سکتی تھی اور اپنے مالک کی یاد میں بیٹھی تھی - دیکھو رسم کا ست تو مار چکا تھا، محبت کا ست کام کر گیا - راجہ نے راج سنبھالا اور خیر خواہان دولت نے شکر الٰہی کے ساتھہ خانخاناں کے شکرانے ادا کئے —

اچھی کتاب کا مطالعہ

از

(مولوی عبدالحق صاحب بی اے ، علیگ)

پڑھنے کی عادت بہت اچھی ہے، مطالعہ ایک شریفانہ فعل ہی نہیں حکیمانہ فعل ہے ، لیکن پڑھنے پڑھنے میں فرق ہے اور کتاب کتاب میں فرق ہے-

میں ایک بدمعاش اور پاجی آدمی سے باتیں یا بے تکلفی کرتے ہوے جھجکتا ہوں ، اور آپ بھی میرے اس فعل کو بری نظر سے دیکھتے ہیں - لیکن میں اس سے زیادہ بری اور پاجی کتاب پڑھتا ہوں، نہ آپ کو ناگوار گذرتا ہے نہ مجھے ہی کچھہ ایسی شرم آتی ہے، بلکہ اس کی ہر بات شربت کے گھونٹ کی طرح حلق سے اُترتی چلی جاتی ہے - پاجی آدمی کی تو شاید کوئی حرکت ناگوار ہوتی اور میں اُس سے بیزار ہوجاتا مگر یہ چپکے چپکے دل میں گھر کر رہی ہے اور اس کی ہر بات دلربا معلوم ہوتی ہے -

اگر میں کسی روز بازار جاؤں اور چوک میں سے کسی

محض اجنبی شخص کو ساتھ لے آؤں اور اس سے بے تکلفی اور دوستی کی باتیں شروع کردوں اور پہلے ہی روز اس طرح سے اعتبار کرنے لگوں جیسے کسی پرانے دوست پر، تو آپ کیا کہیں گے۔ لیکن اگر ریل کسی اسٹیشن پر ٹھیرے اور میں اپنی گاڑی سے اُتر کر سیدھے بک اسٹال (کتب فروش کی الماری) پر پہنچوں اور پہلی کتاب جو میرے ہاتھ لگے وہ خرید لاؤں اور کھول کے شوق سے پڑھنے لگوں تو شاید آپ کچھ نہ کہیں گے۔ حالانکہ یہ فعل پہلے فعل سے زیادہ مجنونانہ ہے، اُس کے لئے تو کوئی عذر ہو بھی سکتا ہے - مگر اس کے لئے کوئی عذر ممکن نہیں --

میں ایک بڑے آباد شہر یا مجمع میں جاتا ہوں، کبھی ایک طرف نکل جاتا ہوں کبھی دوسری طرف جاپہنچتا ہوں اور بغیر کسی مقصد کے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ افسوس کہ باوجود آدمیوں کی کثرت کے میں وہاں اپنے تئیں اکیلا اور تنہا پاتا ہوں اور اس ہجوم میں تنہائی کا بار اور بھی گراں معلوم ہوتا ہے ۔ میرے کتب خانے میں بیسوں الماریاں کتابوں کی ہیں، میں کبھی ایک الماری کے پاس جا کھڑا ہوتا ہوں اور کوئی کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں اور کبھی دوسری الماری میں سے کوئی کتاب اُٹھاکر دیکھنے لگتا ہوں - میں اس طرح سیکڑوں کتابیں پڑھ جاتا ہوں -- لیکن اگر میں غور کروں تو دیکھوں گا کہ میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا -- اس وقت میری آوارہ خوانی مجھے ستاتی ہے اور جس طرح ایک بھرے پُرے شہر میں میری تنہائی میرے لئے وبال تھی اسی طرح اس مجمع شرفا و علما،

ادبا و شعرا میں یکۂ و تنہا اور حیران ہوں گا -

بغیر کسی مقصد کے پڑھنا فضول ہی نہیں مضر بھی ہے، جس قدر ہم بغیر کسی مقصد کے پڑھتے ہیں اُسی قدر ہم ایک با معنی مطالعہ سے دور ہوتے جاتے ہیں -

ملٹن نے ایک جگہ کہا ہے کہ "اچھی کتاب کا گلا گھونٹنا ایسا ہی جیسے کسی انسان کا گلا گھونٹنا" جس سے اس کی مراد یہ ہے کہ فضول اور معمولی کتابوں کے پڑھنے میں عزیز وقت ضایع کرنا اچھی کتاب کا گلا گھونٹنا ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ ہمارے لئے مردہ ہے -

لوگ کیوں فضول، معمولی اور ادنی درجہ کی کتابیں پڑھتے ہیں؟ کچھہ تو اس لئے کہ اُن میں نیا پن ہے، کچھہ اس خیال سے کہ ایسا کرنا داخل فیشن ہے، اور کچھہ اس غرض سے کہ اس سے معلومات حاصل ہوتی ہیں - پہلی دو وجہیں تو طفلانہ ہیں - تیسری وجہ البتہ بظاہر معقول ہے، لیکن اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم معمولی، ذلیل اور ادنی معلومات اپنے دماغ میں بھرتے ہیں تاکہ اعلی معلومات کی گنجائش باقی نہ رہے —

اگر ہم اپنے مطالعہ کا ایک سیاہہ تیار کریں اور اُس میں صبح سے شام تک جو کچھہ پڑھتے ہیں لکھہ لیا کریں اور ایک مدت کے بعد اُسے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کیا کیا کر گزرے - اس میں ہم بہت سی ایسی تحریریں پائیں گے جن کا ہمیں مطلق خیال نہیں؛ بہت ایسے ناول ہوں گے جن کے ہیروؤں تک کے نام یاد نہیں؛ بہت ایسی کتابیں کہ جن کی نسبت اگر ہم سے

کوئی یہ کہتا کہ یہ ہم پڑھ چکے ہیں تو ہمیں کبھی یقین نہیں آتا-بہت سی ایسی تاریخیں' سفر نامے' رسالے وغیرہ ہوں گے جنھیں پڑھ کر خوش تو کیا پچھتائے ہی ہوں گے- اگر ہم علی گڈھ کالج کے طالب علموں کے نام ' ان کے حلئے' اُن کے وطن ' اُن کے محلے ' اُن کی کتب نصاب تعلیم اور اُن کے شجرے یاد کرنے شروع کردیں اور اسے معلومات کے نام سے موسوم کریں تو لوگ کیا کہیں گے ؟ غرض ایسا ہی کچھ حال اِس سیاحہ کا ہوگا - اس کا اکثر حصہ خرافات کی ایک عجیب فہرست اور ہماری ورق‌گردانی اور تضیع وقت و دماغ کی ایک عمدہ یادگار ہوگی-

ملٹن نے کیا خوب کہا ہے " عمدہ کتاب حیات ہی نہیں بلکہ ایک لافانی چیز ہے " - اس قول میں مطلق مبالغہ نہیں - عمدہ کتاب خود ہی لافانی نہیں بلکہ اپنے لکھنے والوں کو ' ان کو جن کا اس میں ذکر ہے ' اور بعض وقت پڑھنے والوں کو بھی لافانی بنا دیتی ہے - عمدہ کتابوں نے انسانوں کے اخلاق و طبایع و آراء پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے؛ خیالات میں عظیم‌الشان تغیر پیدا کیا ہے ؛ قوموں میں ہل چل اور انقلابات بپا کئے ہیں اور ملکوں کی کایا پلٹ میں حیرت انگیز مدد دی ہے اور یہی عمدہ کتاب کی نشانی ہے - میں آج آپ کو ایک ایسی ہی کتاب کا حال سناتا ہوں - یہ آج کل کی نہیں ' صدی دو صدی کی نہیں بلکہ سنہ عیسوی کی پہلی صدی کی لکھی ہوئی ہے - یہ اب تلک زندہ ہے ' یہ لافانی ہے ' اس نے بہت سے مردہ دلوں کو زندہ دل بنا دیا ' بہت سے سوتے ہوؤں کو بیدار اور غافلوں کو ہشیار کردیا ' بہت سی قوموں میں

قومیت و انسانیت کی روح پھونکدی اور اس میں اب بھی اسی سحرکاری کی قوت موجود ھے بشرطیکہ ھمیں اپنی آوارہ خوانی سے فرصت ھو -

جب رومہ کی قدیم سلطنت خانہ جنگیوں کی بدولت پارہ پارہ ھوگئی نیز مذھب عیسوی کے تازہ فروغ نے یونان قدیم کی تہذیب و حکمت کو برباد کردیا تو چوتھی صدی سے تیرھویں صدی عیسوی تک براعظم یورپ میں سخت جمود کی کیفیت طاری رھی. علماے مذھبی کی تلقین اور حاکمانہ تعلیم نے لوگوں کو دنیا اور معاملات دنیا کی جانب سے بالکل بے پروا کردیا تھا؛ دلوں پر آنے والی زندگی کا ھول اور قیامت کا خوف ایسا بیٹھ گیا تھا کہ جو لوگ تارک الدنیا نہ تھے حیات ظاھری کے مسائل پر غور کرنا انھیں بھی ناگوار اور تضیع اوقات معلوم ھوتا تھا ؛ دماغوں میں اوھام پرستی اور متعصبانہ تنگ دلی اور قومی بے غیرتی کے سوا کسی چیز کے سمانے کی گنجائش نہ تھی اور شخصی بادشاھوں کے طفلانہ فرمان اور خود غرض پادریوں کے خلاف انصاف اور خلاف انسانیت احکام کی تابعداری ' زندگی کا مسلمہ فریضہ بن گئی تھی -

صدیوں تک اسی خراب حالت میں پڑے رھنے کے بعد آخر کار اھل مغرب میں حرکت پیدا ھوی اور اندلس کے اسلامی درس گاھوں کے طفیل سے اور اُن یونانی پناہ گزینوں کے اثر سے جو ترکی فتح قسطنطنیہ کے بعد جنوبی یورپ میں بھاگ آے تھے' یونان قدیم کے فلسفے و حکمت اور رومی قوانین و نظام سلطنت کا علم اِن ممالک میں پھیلا اور محض اِس کی بدولت ذھنی

ترقیوں کا وہ دور یورپ میں شروع ہوا جسے بجا طور پر اہل یورپ عہد بیداری سے تعبیر کرتے ہیں - علم و مطالعہ کے شوق کے اس احیا نے ایک طرف تو اِس زبردست مذہبی اصلاح کی تخم پاشی کی جو عیسائیوں کے نئے فرقے پراتستنتوں کی تحریک کی سنگ بنیاد تھی اور دوسری طرف عدل و مساوات، رواداری اور معقولیت، آزاد خیالی اور جمہوریت اور ایثار و حب وطن کا دلوں میں گہرا نقش بٹھا دیا - اور در حقیقت محض قدیم علم ادب کا طفیل تھا کہ استبداد و مطلق العنانی کا زور ٹوٹا اور لوگوں کے خیالات میں وہ غیر معمولی تلاطم ہوا جس کا سب سے خوفناک ظہور انقلاب فرانس تھا -

اِس طرح تقریباً پان سو برس کی محنت اور مطالعہ کا جو کچھہ نتیجہ ہوا وہ گویا اسی درخت کا پھل تھا جسے دو ہزار برس پہلے اہل یونان کے ہاتھوں نے بویا تھا -

اگر ہم بغور تلاش و امتیاز کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ پلوٹارک متوطن شیرونیہ (علاقۂ بیوتہ یونان) کی کتاب " مشاہیر یونان و روما " بھی منجملہ اُن چند کتابوں کے ہے جو یورپ کے ایسے ذہنی انقلابات کا باعث ہوئیں اور جنھوں نے مغرب کو قعر مذلت سے نکال کر اوج کمال پر پہنچا دیا اور اعلیٰ انسانی خصائل کا ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہوگا -

مذہب ہو یا دنیوی معاشرت، سیاست ہو یا دینیات بغیر اخلاق کے چارہ نہیں - جب تک ان کی تہ زمین اخلاق نہ ہو کامیابی ممکن نہیں - لیکن قابل غور اور اہم سوال یہ ہے کہ اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کیوں کردی جاے کہ نوجوانوں کے دلوں میں

اعلی اور پاکیزہ خیالات اس طرح متمکن ہو جائیں کہ دنیوی لالچ ، خود غرضانہ خواہشات، دوستی اور مروت اُنھیں ڈانواں ڈول نہ کرسکے؟

بعض کا خیال ہے صرف مذہبی تعلیم ہی سے اخلاق درست ہوسکتے ہیں ، بعض کی رائے ہے کہ اخلاق کی کتابیں پڑھانے اور وعظ و پند کے ذریعہ سے اخلاق سکھا سکتے ہیں ، لیکن مشکل یہ ہے کہ پہلا طریقہ حکم فرمان پر مبنی ہے اور بہت سی طبایع اسے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور اس لئے اکثر محروم رہ جاتی ہیں - اور دوسرا طریقہ بے مزہ اور روکھا پھیکا ہے ، خصوصاً نوجوان طبیعتیں اس سے بھاگتی ہیں اور واعظوں کے وعظ اور ناصحوں کی نصیحتیں رائگان جاتی ہیں- ایک تیسری تدبیر اصلاح اخلاق کی صحبت ہے، بے شک یہ ایک کارگر اور مؤثر تدبیر ہے لیکن ہر کہیں اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت کے کامل نمونے کہاں نصیب ہوتے ہیں - علاوہ اس کے پہلے دو طریقوں میں دل کشی نہیں جو نصیحت کی تلخی کو کم کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے- ایک اور کمی بھی ہے ، یعنی ان سے بڑائی حاصل کرنے کا دلوں میں ولولہ اور جوش پیدا نہیں ہوتا - اب صرف ایک ہی طریقہ باقی ہے جو مؤثر بھی ہے ، دلکش بھی ہے ، اور طبیعتوں میں ولولہ اور جوش بھی پیدا کرتا ہے اور ہر کہیں میسر آسکتا ہے - وہ یہ کہ اُن لوگوں کے حالات پڑھنے کے لئے دئے جائیں جنھوں نے دنیا میں ایسے بڑے بڑے کام کئے ہیں جو کبھی مٹنے والے نہیں ، بشرطیکہ ان کا لکھنے والا اس گُر سے واقف ہو-

پلو تارک اس گُر کو خوب سمجھتا تھا ۔ اس نے یونان و رومہ کے سپوتوں کے حالات لکھنے میں ایسے دلاویز طریقہ سے کام لیا ھے کہ خود بخود پڑھنے کی رغبت ھوتی ھے اور دوسری بات جو پلو تارک کی سبق آموز اور زندۂ جاوید کتاب کی وقعت بڑھانے والی ھے وہ اس کی تاریخی حیثیت اور صاحب کتاب کی غیر معمولی وسعت نگاہ ھے ۔ اس کی مساعی تحقیق و جستجو کو سیر کرنے کے لئے اول تو کتابوں کا ایک ذخیرۂ کثیر اس کے سامنے تھا ' جو اب ناپید ھے اور دوسرے وہ پہلی صدی عیسوی کا آدمی ھے اور اس لئے یونان و روما کی تہذیب و معاشرت کا جیسا صحیح اندازہ وہ کرسکتا ھے اِس زمانے میں ممکن نہیں ۔ پس تاریخی اعتبار سے ان ملکوں کی کوئی قدیم تاریخ مکمل بلکہ معتبر نہیں سمجھی جاسکتی جب تک کہ مؤلف اس بات کا ثبوت نہ دے کہ اس نے پلو تارک کی لکھی ھوئی سوانح عمریوں کو طالب علمانہ شوق و جان کاھی سے پڑھا ھے —

آپ اس کتاب میں حب وطن ' کامل ایثار ' بے نفسی' وجاں نثاری ' اور اولوالعزمی کی ایسی زندہ اور سچی تصویریں دیکھیں گے کہ ان کو پڑہ کر انسان بے خود ھوجاتا ھے اور دل بے اختیار سچے جذبات سے اُبلنے لگتا ھے ۔ اور خواہ کیسا ھی آدمی ھو ' یہ ممکن نہیں کہ اس کے پڑھنے کے بعد وہ متاثر نہو اور اُن انسانی اعلیٰ خوبیوں کا دایمی اثر اس کے دل پر باقی نہ رھے ۔ دنیا میں سیکڑوں آدمی ایسے گذرے ھیں کہ اِس کتاب نے ان پر جادو کا سا اثر کیا ھے اور اس کی بدولت انھیں حیات

جاوید حاصل ہوتی ہے —

روسیو جو فرانس کا ایک بڑا حکیم گذرا ہے اور جو ان چند برگزیدہ لوگوں میں سے تھا جو انقلاب فرانس کے پیش خیمہ تھے، اس کتاب کو پڑھ پڑھ کر آپے سے باہر ہوجاتا اور لڑکپن کے زمانے میں بھی اس سے اُن بے نفس الوالعزم لوگوں کی تقلید میں عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہوجاتی تھیں۔ وہ اس کتاب کو بہت عزیز رکھتا تھا اور ہمیشہ اِس کے پڑھنے سے اس پر نئی کیفیت طاری ہوتی تھی —

فرانس کے عہد بیداری کے ایک دوسرے نامور مصنف "مونتین" کی نسبت لکھا ہے کہ وہ پلوٹارک کے مطالعہ سے بے انتہا متاثر ہوا تھا اور اپنی کامیابی کے لئے علاوہ دیگر یونانی فلسفیوں کے پلوٹارک کا بھی رہین منت تھا —

پلوٹارک کو انسانی سیرت اور باطن کی تصویر کھینچنے میں کمال حاصل ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زندہ تصویریں ہمارے سامنے موجود ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے ہم خود اپنے ارد گرد کے حالات سے بالکل بے خبر ہوجاتے ہیں۔ شکسپیر کے کلام کا مشہور نقاد "ریلے" لکھتا ہے شکسپیر جو پلوٹارک کا بہت کچھ زیر بار احسان ہے بعض اوقات کیریکٹر (سیرت) کی تصویر اُتارنے میں پلوٹارک کے حیرت انگیز بیان کو نہیں پہونچتا —

فردوسی بھی اس بارے میں کمال رکھتا ہے اور شاہنامے کے پڑھنے کے بعد ہم رستم و افراسیاب، سیاوش و سہراب وغیرہ نہیں بھول سکتے، لیکن حب وطن، کامل ایثار اور انسان کے

اخلاقی کمالات کی وہ تصویریں جو دل میں گھر کرلیتی ہیں اور جو تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کا زبردست آلہ ہیں، اس میں نہیں پائی جاتیں - پلو ٹارک کو اس خصوصیت میں سب پر تفوق حاصل ہے اور جسے یقین نہو وہ بروٹس، لکرگس اور کیٹو (خرد) وغیرہ کے حالات پڑہ کر دیکھہ لے اور سوچے کہ ان اعلیٰ صفات کی حامل کوئی اور کتاب بھی ہے —

اگر اس کتاب کے پڑھنے کے بعد کوئی اِس سے متأثر نہو اور اس کے دل میں اخلاقی کمالات کا جوش اور ولولہ پیدا نہو تو اُسے چاهئے کہ وہ خشوع و خضوع کے ساتھہ دعا مانگے کہ خدا اس کے حال پر رحم کرے!

(ماخوذ از مقدمۂ مشاهیر یونان و روما)

عرب شہید کا گھر

از

(خواجہ حسن نظامی صاحب)

[خواجہ صاحب بہت پاک صاف اور ستھری اُردو لکھتے ہیں اور اُن کی عبارت میں خاص اثر ہوتا ہے]

طرابلسی عرب کے گھر کو دیکھو - غمگین ماں اپنے دو جوان بیٹوں کی لاشوں کے بیچ میں کلیجہ تھامے کھڑی ہے - ان کو اٹلی کے کافروں نے سنگینوں سے، کرچوں سے کچوکے دے دے کر مارا ہے - لوگ ابھی ان کی لاشوں کو گھر میں لائے ہیں - ماں پوچھتی ہے: کیا یوں ہی مرگئے یا کچھ ہاتھ دکھا کر کام آئے ؟ کہا جاتا ہے کہ نہیں خوب گھمسان لڑائی لڑی، بیسوں کو جہنم رسید کیا —

لو ایک جنازہ اور آیا - یہ اس خاتون کا خاوند ہے، شہیدوں کا باپ ہے - مرا نہیں زخمی ہوا ہے، خون بہ رہا ہے، سانس اُکھڑ رہا ہے، ہونٹ خشک ہیں، چہرہ زرد ہوتا

جاتا ھے مگر تیوری کا بل نہیں گیا - پستول هاتھ سے جدا نہیں ھوا —

خاتون دوڑی ' اپنے سرتاج کو سہارا دے کر بیٹھ گئی۔ چھوٹی لڑکی پانی لائی - بڑی نے زخم دھونا شروع کیا۔ خون اُبلا چلا آتا ھے نہیں رکتا - عرب کا بارہ برس کا چھوٹا لڑکا بیمار ھے' بخار میں بے ھوش تھا - ابھی آنکھ کھولی - باپ اور بھائیوں کی کیفیت دیکھکر از خود رفتہ ھوکر اُٹھ کھڑا ھوا - باپ دم توڑنے لگا اور بولا "جاؤ بیٹا' جاؤ' نور چشم میدان کو سدھارو - گولی مارو' گولی کھاؤ - تم میری گھر کی آخری شمع ھو - ان لاوارث عورتوں کا سہارا ھو' مگر میں اپنے گھر کی شمع بجھانے کو تیار ھوں - آگے بڑھو اور دین کی شمع کو بچاؤ - ان بے کس عورتوں کا وارث خدا ھے - چھوڑ دو' بے فکر ھو کر مرنے جاؤ" —

میں مرتا ھوں ' فرشتے میری روح لینے آئے ھیں - ذرا دم لو - اپنے لاڈلے کو کارتوس کی پیٹی باندھتے دیکھ لوں — مجھے اس کی شادی کی تمنا تھی — نکاح کی قبا پہنانی چاھتا تھا ' لیکن آج خوش نصیبی سے عبائے شہادت میسر آگئی ھے - دیکھوں اس کے ننھے سے نازک جسم پر کیسی معلوم ھوتی ھے - بیوی بانو' میرے پاس سے ھٹ جاؤ! اپنے لخت جگر کو دولھا بناؤ تلوار باندھو' کارتوسو کا ھار گلے میں ڈالو اور کہو جا بیٹا دین پر قربان ھوجا - ھم عرب ھیں' مسلم ھیں - جان دینا اور جان لینا ھماری شادی ھے - دیکھ بیٹا یہ قرآن ھے اس کی لاج رکھیو' اس کی آبرو پر کٹ کر مرجاؤ — دشمن اس کو زیر

کرنے، آئے ہیں تو بڑھ کر ان کو زیر و زبر کر دیجیو - بچے!
قرآن ہماری جان ہے، ایمان ہے، عزت ہے، آبرو ہے - کفار
اس پر غلبہ نہ پائیں - تو اکیلا نہیں ہے، دنیا کے مسلمان
تیری کمک کو دوڑے چلے آتے ہیں -

امی! مجھے رخصت - ایسا نہ ہو اور مسلمان پہلے پہنچ جائیں
اور میں شہادت سے محروم رہ جاؤں -

بیٹا! تو کہاں چلا، مجھے کس پر چھوڑا - ان تینوں لاشوں کو
کون دفنائے گا - کافر ہم عورتوں کو لونڈی بنالیں گے تو ہمیں
کون بچائے گا - ارے تیری ان جوان بہنوں کے ناموس کا کیا حشر
ہوگا - ارے تو ابھی رن میں گولی چلانے کے قابل نہیں - ابھی
عمر ہی کیا ہے -

نہیں بی - مجھے جانے دو - تمہارے وارث دنیا کے مسلمان
ہیں اور ان مسلمانوں کا خدا ہے - مت سمجھو کہ میرے بھائی
مرگئے - باپ جان سے گذر گیا، میں بھی موت کے منہ میں
جاتا ہوں تو تم لا وارث ہوجاؤگی - نہیں عرب کے، مصر کے،
ایران کے، ہندوستان کے، سارے جہان کے مسلمان تم پر اپنا
جان مال نثار کردیں گے، گھبراؤ نہیں اماں مجھے جانے دو -

لوگو میری کھیتی برباد ہو رہی ہے - اولاد والو میری اولاد
کا باغ اُجڑا جاتا ہے - ارے میرا کلیجہ نکلا پڑتا ہے - مسلمانوں!
ذرا دیکھو - میری مصیبت پر ماتم کرو - میری دو کڑیاں ٹوٹ
گئیں، زندگی کا ساتھی بچھڑ گیا، یہ کونپل بھی جدا ہوتی ہے -
میری خوشی کی دنیا کا سورج غروب ہوتا ہے - تم کو کھانا
زہر کیوں نہیں معلوم ہوتا؛ خوشی و خرمی سے کس لئے

بیزار نہیں ہوتے؛ نیند کا مزہ کس واسطے باقی ہے - ہائے میرا گھر تو لٹنے اور اور تم تس سے مس نہ ہو، مومن ہو، بھائی ہو، کلمہ کے شریک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اُمت ہو، آؤ پرسا دو کہ میں لٹ گئی۔ آؤ ان بے کسوں کو اول منزل پہنچاؤ۔ یا اللہ اب کیا ، ہوگا کیا ہم کو گرجا کی جھاڑو دینے کے لئے پکڑ لے جائیں گے کیا ہم سے صلیب کے آگے سجدہ کرایا جائے گا۔ کیا میری ان معصوم کنواری لڑکیوں کو اٹلی کے وحشی بے ستر کریں گے مسلمانو فریاد ہے ! دہائی ہے! دین کی لاج کو اُٹھو، عرب کی غیرت کو بچاؤ! -

شریف بانو صبر کر - دل کو سنبھال - ہم جانتے ہیں کہ آج طرابلس میں تجھ جیسے ہزاروں گھروں میں بھی کُہرام مچا ہوا ہے - لیکن گھبرا مت - غیرت خداوندی ظاہر ہونا چاہتی ہے۔ اور لے سب سے پہلے اپنے ہندی مسلمان بھائیوں کا ہدیہ، اس سے کپڑے بنا، روٹی کھا، زخمیوں کی خبر گیری کر، ہندی بھائیو! تو کیا اب بھی تم مجروحوں کے لئے چندہ نہ کرو گے -

———◊(o)◊———

ایک هندوستانی ڈپٹی کلکٹر کی ملاقات انگریز کلکٹر سے

از

(شمس العلما مولانا نذیر احمد مرحوم)

میں انگریزوں کی ملاقات کا ایسا چور هوں که جب دیکھتا هوں که اب بہت دن هو گئے هیں تو هفتوں پہلے سے اراده کرتا هوں اور آخر زبردستی ٹھیل کر ڈھکیل کر اپنے تئیں لے جاتا هوں تو کوٹھی پر جاکر همیشه وهی بے لطفی وهی بے عزتی - جاڑا هو، پانی برستا هو، کڑا کے کی دھوپ هو، لوئیں چلتی هوں، هندوستانی ڈپٹی نہیں ڈپٹی کا باوا کیوں نه هو اور چاهے وه اپنے مکان سے چار گھوڑوں کی بگھی پر سوار هو کر کیوں نه آیا هوں، کلکٹر، جنت، اسسٹنٹ کی تو بڑی بارگاهیں هیں اگر یوریشین ڈپٹی کلکٹر سے بھی ملنے گیا هے (اور نه ملے تو رهے کہاں) تو احاطے کے باهر اترتا اور احاطے بھی شیطان کی انتڑی که هم جیسے پرانے فیشن کے لوگ کوٹھی تک پہنچتے پہنچتے هانپنے لگتے هیں- اور اگر صاحب کہیں اس حال میں دیکھ پائیں تو سمجھو

کہ ملاقات کو گئے نوکری نذر کر آئے ' اسی دن رپورٹ ہوئی دھری ہے کہ یہ شخص دس قدم پیدل نہیں چل سکتا ؛ گویا ڈپٹی کلکٹر کو ضرور ہے کہ کم سے کم ڈاک کے ہرکارے کی ایک چوکی تک پونچہ نہیں تو دلکی پیشی کا بستہ لیکر بھاگ سکے - پس اس ڈر کے مارے کسی درخت کی آڑ میں یا کوئی ایسا گانٹھہ کا پورا ہے اور اس نے شاگرد پیشوں کو پہلے سے چکھوتیاں کرادی ہیں تو باورچیخانے یا اصطبل میں پاؤ گھنٹے آدہ گھنٹے کھڑے کھڑے دم لیا اور جب سانس اچھی طرح پیٹ میں سمانے لگا تو رومال سے منہ ہاتھہ پونچھا ' ہاتھہ سے ڈاڑھی مونچھہ کو سنوارا ' آہستہ سے عمامہ کو ذرا اور جھالیا ' چغے کے دامن سمیٹے اور بڑے مودب مقطع بن کر ہاتھہ باندھے ' نیچی نظریں کئے ' ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں کوٹھی کی طرف کو بڑھے - خدمت گار اور اردلی کے چپراسیوں نے تو احاطے کے باہر ہی سے تاڑ لیا تھا ' کوٹھی کے پاس آتے دیکھہ قصداً اِدھر اُدھر کو ٹل گئے - تھوڑی دیر زینے کے نیچے ٹھٹکے کہ کوئی آدمی نظر آئے تو اوپر چڑھنے کا قصد کریں - چلنے کی ' باتوں کی اور چیزوں کے رکھنے اٹھانے کی آوازیں ہیں کہ چلی آتی ہیں مگر کوئی آدمی نظر نہیں آتا - آخر ناچار رستوں کی آڑ میں جوتیاں اتار ہمت کر کے بے بلائے اوپر پہنچے - کرسی نہیں ' مونڈھا نہیں ' فرش نہیں ' کھڑے سونچ رہے ہیں کہ کیا کریں ' لوٹ چلیں - پھر خیال آتا ہے کہ ایسا نہ ہو لوٹتے کو صاحب اندر آئینوں میں سے دیکھہ لیں - شرمندگی کے ٹالنے کو وہیں تھوڑی سی جگہ میں

ٹہلنا شروع کیا - اتنے میں باورچیخانے کی طرف سے ایک آدمی
آتا ہوا نظر آیا ، جی خوش ہوا کہ اس سے صاحب کی اردلی
کے لوگوں کا حال معلوم ہوگا، وہ لپک کر ایک دوسرے دروازے
کے اندر گھس گیا اور ادھر کو رخ بھی نہ کیا - غرض کوئی
آدھے گھنٹے (اور اس انتظار میں تو ایسا معلوم ہوا کہ دو
گھنٹے) اسی طرح کھڑے سوکھا کئے - بارے خدا خدا کر کے
ایک چپراسی اندر سے چٹھی لئے ہوے نمودار ہوا ، کیا کریں
اپنی غرض کے لئے گدھے کو باپ بنانا پڑتا ہے ، حیا اور غیرت
بالائے طاق ، آپ منہ پھوڑ کر اُس کو متوجہ کیا ، کیوں
جمعدار کچھ ملاقات کا بھی ڈھنگ نظر آتا ہے ؟ - بس اس کو
ڈپٹی کلکٹری کا ادب سمجھو یا شکایت کا ڈر ، مگر میں
جانتاہوں کہ ادب اور ڈر تو خاک بھی نہیں ، صرف اتنی
بات کا لحاظ کہ شہر کی فوجداری سپرد ہے خدا جانے کب
موقعہ آ پڑے چار و ناچار اچٹتا ہوا سا سلام کر کے جیسے کوئی
مکھی اُڑاتا ہے اِس کو کہنا پڑا کہ آج ولایت کی ڈاک کا دن ہے
ملاقات تو شاید ہی ہو ، لیکن آ پ بیٹھئے ، ابھی تو صاحب
غسل خانے میں ہیں ، یہ کہکر پھر وہ اندر کو جانے لگا تو
آخر نہ رہا گیا زبان سے نکلا کہ کہاں بیٹھوں اپنے سر پر - تب
اس نے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی ، تکیہ اور ایک بازو ندارد ،
گویا بید کی ٹپائی لاکر ڈالدی - اس کے بعد جب جب کوئی
چپراسی یا خدمت گار باہر آتا یہی معلوم ہوتا کہ صاحب
ابھی غسل خانے سے نہیں نکلے (الہی کیا غسل میت ہے !) ،
اب کپڑے بدل رہے ہیں ، اب میم صاحب کے کمرے میں ہیں ،

اب چٹھی لکھہ رہے ہیں ، یہاں تک کہ آخر کو معلوم ہوا کھانے
کی میز پر ہیں - یہ سن کر جی ہی تو بیٹھہ گیا کہ بس اب
کیا خاک ملاقات ہوگی - ارادہ ہوا کہ گھر کی راہ لیں ، پھر
خیال آیا کہ کون وقتوں سے انتظار کررہے ہیں ، آنا پڑے ہی گا ،
دوسرے دن کا کیا بھروسہ ، اتنی محنت کیوں ضایع کی ،
گھنٹہ ڈیڑہ گھنٹہ اور صبر کرو - بڑی دیر بعد چپراسی حکم
لے کر نکلا کہ سرشتہ دار کو رپورٹ خوانی کے لئے بلایا ہے -
اب رہی سہی امید اور بھی گئی گزری ہوئی - تب تو اپنا سا
منہ لے کر چپراسی سے یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ خیر میں تو اب
جاتا ہوں صاحب سے میری اطلاع کی خبر کردینا - تب خدا
جانے چپراسی کے دل میں کیا آئی کہ کہنے لگا: دو بار آپ کی
اطلاع کرچکا ہوں کچھہ بولے نہیں ، اب پھر کہے دیتا ہوں ،
خفا ہوں گے تو آپ میری آدہ سیر آٹے کی فکر رکھنا -
غرض بلائے گئے - صاحب کو دیکھا تو پیپ منہ میں لئے ٹہل
رہے ہیں ، بس معلوم ہوگیا کہ مطمئین ملاقات نہیں ہو سکتی -
سر جھکائے کوئی کاغذ یا کتاب دیکھہ رہے ہیں ، اب کوئی
تدبیر سمجھہ میں نہیں آتی کہ کیوں کر ان کو خبر کروں
کہ میں آیا کھڑا ہوں - اور کیا معلوم ہے شاید جان بوجھہ کر
کھڑا رکھا ہو ، بلکہ مجھہ کو تو اس بات کا بھی شبہ ہے کہ
میرے آنے کی بہت دیر پہلے سے ان کو خبر تھی ،
چپراسی نے شاید نہ بھی کہا ہو مگر چاروں طرف آئینے
کے کواڑ ہیں ، عین سامنے سے دروازے سے آیا ، درختوں کے
نیچے ٹہلتا رہا ، پھر بڑی دیر تک برآمدے میں بیٹھا رہا ،

کیا اتنے عرصے میں ایک بار بھی اِن کی نظر نہ پڑی ہوگی،
ضرور پڑی ہوگی - خیر آخر آپ ھی سر اُٹھایا اور ڈپٹی صاحب!
حاکم بالادست ھو کر جو اتنی آؤ بھگت کرے تو اس کا
شکر گزار ہونا چاھئے - صاحب نے بندہ نوازی میں کچھ کمی
نہیں کی، آنکھیں چار ہوتے ھی اپنے مقابل میز کی دوسری
طرف کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا - اپنے گھر یا آپس میں ایک
دوسرے کے گھر کرسیوں پر بیٹھنا کون نہیں جانتا لیکن میں
تو اپنے سے زیادہ زیادہ تنخواہ کے ھندوستانی صدرالصدوروں
اور ڈپٹیوں کا انگریزوں کے روبرو کرسی پر بیٹھنا دیکھے
ہوئے تھا، کہنے کو تو کرسی پر بیٹھا مگر حقیقت میں بید
پر چوتڑ ٹکے ھوں تو جیسی چاھو قسم لو، تم خدا کے بندے
ہو تو یقین مانِنا بس ٹنگے پر الگ ڈھلک جیسے اڈے پر
گُلدم - کرسی پر بیٹھنا ھی تھا کہ کمبخت چپراسی نے پیچھے
سے ھاتھ جوڑکر کہا کہ خدا وند سرشتہ دار حاضر ھیں - صاحب
ھیں کہ میری طرف دیکھتے جاتے ھیں اور چپراسی سے فرما رھے
ھیں " اچا آنے بولو" یعنی اچھا سرشتہ دار سے کہو چلے آئیں -
سبحان اللہ سات برس اسسٹنٹ رھے، نو برس کے قریب جنٹ
اور اس سولہ برس میں صرف ایک بار ڈیڑہ برس کے لئے فرلو
پر ولایت گئے تھے، بارہ برس دلی میں رھے اور بھاڑ جھونکا،
چودہ برس میں حضرت نے اُردو میں کیا کمال حاصل
کیا ھے "اچا آنے بولو"۔ اب میں منتظر ھوں کہ صاحب
کچھ پوچھیں تو جواب دوں اور سرشتہ دار مردود آگئے آگے
آپ، پیچھے بستہ قلمدان لئے ہوئے چپراسی، آھی گھسا۔

سرشتہ‌دار مردوں کے روبرو مجھ سے پوچھتے ہیں تو کیا پوچھتے ہیں "ول صاحب گرمی بوت" - میں گردن جھکا کر ہاں حضور گرمی کے تو دن ہی ہیں میرے علاقے میں تو پولیس کی رپورٹ سے ایسا معلوم ہوا کہ لوؔ سے بھی کئی آدمی مرے - صاحب کو تو یہ جواب دے رہاہوں اور دل‌میں کہہ رہا ہوں کہ گرمی کا تو حال معلوم تھا ارے ظالم تجکو یہ بھی خدا کا ترس آیا کہ ایک بندۂ خدا جس کو کچہری میں سرکار سے ایک ٹٹی ملتی ہے ' ناظر اپنی بدذاتی سے تین برس‌کے پرانے خس کی بند ہوا دیتا ہے تو وہ جانے اور اس کا ایمان اور جس کو گھر پر بھی ٹٹی لگانے کا مقدور ہے اور جو واقع میں گرمی بھر اپنے گھر ٹٹی میں رہتا ہے کتنی دیرسے برآمدہ میں پڑا بھن رہا ہے' لاؤ سلام لے کراس‌کو آزاد کر دوں - میں تو سمجھا تھا کہ آدمیوں کا لوؔ سے مرنا سن‌کر چونک پڑےگا اور ضرور پوچھے گا کہ کس تھانے سے رپورٹ آئی ' کتنے آدمی مرے' کب مرے' لو کا ہندوستانی کیا علاج کرتے ہیں اور کوئی لاش ڈاکٹر صاحب کے ملاحظے کو بھی آئی یا نہیں - غرض آدمی کا دل بولنے اور بات کرنے کو چاہے تو بہتیرے حیلے ہیں پر صاحب تو کچھ پی سی گئے - نہیں معلوم دھیان‌سے نہیں سنا یا سمجھے نہیں یا کالے آدمیوں کے مرنے کی پروا نہیں کی - اب سرشتہ‌دار ہے کہ بستہ کھول کاغذ پھیلا رہا ہے اور میری اور صاحب کی یہ تپاک کی ملاقات ہو رہی ہے کہ دونوں چپ - جب سرشتہ‌دار کاغذ پھیلا چکا ' لگا صاحب کا منہ دیکھنے ' تو صاحب مجھسے فرماتے ہیں

"آپ کُچھ کُچھ"......یعنی آپ کو کچھہ اور کہنا ھے - یہ سنتے ھی میں تو یہ کہہ کر اُٹھہ کھڑا ھوا کہ نہیں میں تو صرف سلام کے لئے حاضر ھوا تھا بہت دن ھو گئے تھے' جی ملنے کو چاھتا تھا پھر حاضر ھوں گا - میری اس اخیر بات میں' اور باتیں ھی ایسی کون سی ھوئی تھیں کہ اس کو اخیر کہوں' بلکہ دوسری بات میں " جی ملنے کو چاھتا تھا" بالکل جھوٹ تھا - کس مسخرے کا جی ملنے کو چاھتا تھا اور کس مسخرے کا جی اب ملنے کو چاھتا ھے - ملاقات کے بامزہ اور بے مزہ ھونے کا معیار وقت ھے - دیر تک ملاقات رھی تو جانو کہ خوب دل کھول کر باتیں ھوئیں' ھماری ملاقات کیا خاک بامزہ سمجھی جائے کہ جانا اور اتھاو چولھے کی طرح بیٹھنا اور گفتگو اور رخصت سب کچھہ دوھی منٹ میں ھو ھوا - اپنے حساب سے کون ایسا تیسا ملاقات کے ارادے سے گیا تھا - خدا گواہ ھے صرف متھا پوتڈول وہ بھی اپنے سر کا چھدا اتارنے کے لئے - صاحب مجھہ سے چاھتے ایک بات بھی نہ کرتے مگر سررشتہ دار اور چپراسیوں کو میرا الٹے پاؤں لوٹ آنا معلوم نہ ھوتا تو مجھکو کچھہ بھی شکایت نہ تھی مگر میری تفضیح ان لوگوں کی نظروں میں ھوئی جو منصبی عزت میں میرے پاسنگ بھی نہ تھے - باھر نکلا تو چپراسیوں اور خدمت گاروں کا غول کا غول برآمدے میں موجود تھا - مجھہ کو دیکھتے ھی سب نے فراشی سلام کیا - الٰہی یہ کاھے کی ایسی لمبی چوڑی تعظیم ھو رھی ھے' گھنٹوں میں برآمدے میں سوکھا کیا ان میں سے کسی کی صورت بھی نظر نہیں پڑی' اب یہ حشرات الارض کہاں سے

نکل پڑے - آها میں اتنی جاں فشانی کے بعد صاحب کو ایک
سلام کر لینے کا گنہگار ہوں ' یہ سرکاری پیادے اس کا جرمانہ
وصول کرنے کے لئے مجھ پر تعینات ہوے ہیں - ہر چند
کہتا ہوں مکان پر آنا تنخواہ پر دیکھا جائے گا ' عید قریب ہے
اس میں سمجھ لینا ! بے حیا پیچھا نہیں چھوڑتے - آخر
میں نے ذرا ترش رو ہو کر کہا کہ اس وقت میرے پاس
نہیں ہے ہوتا تو دینے کا نام دینا کبھی کا دے چکا ہوتا '
ایسی ہی بے اعتباری ہے تو ایک آدمی میرے ساتھ چلو -
ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ایک آدمی تیار سا ہوا کہ
مجھ سے پہلے آگے کوچ بکس پر بیٹھ لے ' اتنے میں جمعدار
نے پنسل اور پرچہ کاغذ نکال میرے ہاتھ دیا کہ حضور
ناظر کو رقعہ لکھ دیں - جب جب میں قلم اٹھاتا تھا بے ادب
ہاتھ پکڑ پکڑ لیتے تھے پہلے فرما دیجئے کہ آپ کیا لکھتے
ہیں - اسی کشمکش میں بڑھتے بڑھتے میں تو اپنی بگھی تک
جا پہنچا ' سائیس پٹ کھولے کھڑا ہی تھا ' لپک کر پائدان
پر پاؤں رکھ غڑپ بگھی کے اندر ' سائیس نے کھٹ سے
پٹ بھیڑ دیا اور گھوڑا تھا کہ آہٹ پاتے ہی چل نکلا -
میں نے کوچبان سے لیکر کاغذ کے پرزے میں ایک روپیہ
رکھ پڑیا بنا اردلیوں کو دکھا کر نیچے پھینک دیا ' پھر میں
نے کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھا تو ایک چپراسی نے پڑیا
اٹھائی بھی ' ایک روپیہ دیکھ کر یقیناً بہت بگڑے ہو نگے '
مگر میں ان کی گالیوں کی زد سے باہر جا چکا تھا - بگھی کے
اندر بیٹھ کر میں نے ایک ایسا لمبا سانس لیا جیسے کوئی
مزدور سر پر سے بھاری بوجھ اُتار کر - تمام راستہ اسی

ملاقات کی ادھیڑ بن میں طے ہوا، بار بار خیال آتاتھا کہ سررشتہ دار اور چپراسیوں کی نظر میں میری کیا عزت رہی، اب یہ لوگ تمام شہر میں اس کا ڈھنڈورا پیٹیں گے، ایسی بے حرمتی سے روٹی کھانے پر لعنت ہے - پھر دل کو سمجھاتا کہ عزت ایک امر اضافی ہے مجھے اپنے اقران و امثال پر نظر کرنی چاھئے، ان کے ساتھ بھی تو انیس بیس کے فرق سے ایسی ہی مدارات کی جاتی ہے، تو جس مجلس میں سب ننگے ہیں وہاں لنگوٹی کی کیا شرم - اسی حیص بیص میں گھر پہنچا - چند آدمی منتظر ملاقات بیٹھے ہوئے تھے، مگر وہ نہ ڈپٹی تھے اور نہ میں کلکٹر کہ بر آمدے میں محتاج اطلاع بیٹھے ہوں، آئے تو میں موجود نہ تھا مزے میں گاؤ تکیے کے سہارے سے پھیل پھیل کر بیٹھے، گھر میں سے پان آ گئے، آدمیوں نے حقے بھر دئیے - جوں مجھ کو دیکھا ایک صاحب بولے: اللہ اکبر ڈپٹی صاحب: آج تو کلکٹر صاحب سے خوب گاڑھی چھنی، کون وقتوں سے میں آپ کا منتظر بیٹھا ہوں- دوسرے صاحب: آج بندہ کا ارادہ بھی کلکٹر صاحب کے سلام کو جانے کا تھا، معلوم ہوا کہ ڈپٹی صاحب تشریف لے گئے ہیں میں نے کہا کہ بس آج کسی کی دال نہیں گلتی - تیسرے صاحب: مدت سے جدید تحصیلداری قائم ہونے کی خبر تھی یہاں تک کہ بورڈ سے منظوری بھی آ چکی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اسی انتظام کے صلاح و مشورے میں اتنی دیر لگی - لوگ آپس میں یہ باتیں کر رہے ہیں اور میں کپڑے اتارتا جاتا ہوں اور اندر ہی اندر دل میں خوش ہوں کہ بھلا ہے خدا کرے لوگ ایسی ہی غلط فہمی میں مبتلا رہیں—

سر سید کی طرز تحریر

از

(مولانا الطاف حسین حالی مرحوم)

نہایت صحیح اور سچا مقولہ ھے کہ " اذا ارادالله شیئاً هیا اسبابه " - چونکہ سر سید سے قوم کی اصلاح کا عظیم الشان کام ظہور میں آنا تھا اس لئے خدا تعالی نے ان کی ذات میں وہ تمام خاصیتیں جمع کردی تھیں جو ایک رفارمر میں ہونی ضرور ھیں - انھیں خاصیتوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ابتدا سے تحریر یا تقریر میں تصنع اور الفاظ کی تراش خراش سے نفرت رکھتے تھے اور گریمر کی پابندی سے فطرۃً آزاد تھے - یہی وجہ تھی کہ انھوں نے جو اول اول دلی میں اپنے گردہ شعرا کا جھگھٹا دیکھہ کر ان کی دیکھا دیکھی شعر کہنا شروع کیا تھا - کچھہ بہت دن نہ گذرے کہ وہ ان تکلفات لایعنی سے جو شاعری کے لئے لازم ھیں اور حقایق نگاری میں مخل ھوتے ھیں ھمیشہ کے لئے دست بردار ھو گئے - انھوں نے سیرت فریدیہ میں اپنے بچپن کا حال لکھا ھے کہ ان کے نانا نے جب کہ وہ بوستان پڑھتے تھے ان کا سبق سنا ' سبق میں وہ شعر بھی تھا

جس کا پہلا مصرع یہ ھے —

" طمع را سہ حرف ست ہر سہ تہی "

اُنھوں نے اس کا ترجمہ کیا کہ "طمع کے تین حرف تینوں خالی" نانا نے تین دفعہ ٹوکا اور بہت خفا ہوے مگر یہ وھی معنی کہے گئے، چونکہ محاورہ کے موافق ترجمہ یہی نصیح تھا اس لئے گریمر کا مطلق خیال نہ آیا - جو حال ان کا اس بچپن کے زمانہ میں تھا وھی اخیر دم تک باقی رھا ' وہ تقریر یا تحریر کی رو میں گریمر کی کچھہ پروا نہ کرتے تھے وہ ان قیدوں سے جو شاعروں اور منشیوں نے مقرر کی ھیں بالکل آزاد تھے ' وہ اُن غلط لفظوں کو جو عام فہم اور خاص و عام کی زبان پر جاری ھوں صحیح الفاظ پر ترجیح دیتے تھے ' ان کی زبان دلی کی بول چال میں محدود نہ تھی بلکہ جو لفظ یا جو جملہ بے اختیار قلم سے ٹپک گیا وھی ان کی زبان اور وھی ان کی بول چال تھی ' غالباً انھوں نے کسی لفظ کے استعمال کرتے وقت یہ خیال نہ کیا ھوگا کہ یہ لفظ اھل زبان بولتے ھیں یا نہیں ؟ اور کسی فقرہ کو لکھہ کر پھر یہ نہ دیکھا ھوگا کہ قواعد کی رو سے اس کی ترکیب صحیح ھے یا نہیں ؟ —

یہ خاصیت جس کو ھم نے بیان کیا ایک سچے وفارمر کے کلام میں ایسی ھی ضروري ھے جیسی سچائی اور راستبازي - وہ مثل شاعروں اور انشا پردازوں کے اپنے کلام کی بنیاد الفاظ کی شستگی اور ترکیبوں کی بر جستگی پر نہیں رکھتا بلکہ اس بے قرار آدمی کی طرح جو گھر میں آگ لگی ھوئی دیکھہ کر ھمسایوں کو بے تابانہ آگ بجھانے کے لیے پکارتا ھے - ایسے

الفاظ استعمال کرتا ہے جو گھبراہٹ کی حالت میں بے ساختہ انسان کے منہ سے نکل جاتے ہیں - وہ واقعات پر تشبیہ و استعارے کے پردے نہیں ڈالتا بلکہ ان کی ننگی تصویر کھلم کھلا سب پر ظاہر کرتا ہے - وہ الفاظ و قواعد کا محکوم نہیں ہوتا بلکہ الفاظ و قواعد کو اپنے جذبات کا محکوم رکھتا ہے —

الغرض سر سید نے خیالات کے ظاہر کرنے میں بناوٹ اور تصنع کو کبھی دخل نہیں دیا ، جس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ابتدا میں مطالب نگاری شروع کی تھی غدر کے زمانہ تک جو کہ تقریباً بیس برس کا زمانہ ہوتا ہے اپنے اُسی سیدھے سادے اور نیچرل اسٹائیل میں ہر قسم کی تحریریں ، کیا کتابیں ، کیا مضامین اور کیا مقدمات کے فیصلے اور تجویزیں ، برابر لکھتے رہے - اس بیس سال کی مشق و مہارت نے جو ایک انداز پر متصل جاری رہی ، ضرور ہے کہ ان کے قلم میں ہر مطلب کے ادا کرنے اور ہر پیچیدہ مضمون کے سلجھانے کی ایک غیر معمولی طاقت پیدا کردی ہوگی - کیونکہ نیچرل قویٰ سے جب اُن کے مقتضا کے موافق برابر کام لیا جاتا ہے تو ان سے اکثر فوق العادۃ کرشمے ظہور میں آتے ہیں - مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا جب کہ اس سیدھی سادی تحریر کے اصلی جوہر کھلنے والے اور اس ٹھنڈی آگ کے شعلے بلند ہونے والے تھے —

غالباً اس بات پر سب کا اتفاق ہوگا کہ تحریر یا تقریر کا اصل مقصد لوگوں کے دلوں پر اثر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مگر اس امر میں سب کی راے مختلف معلوم ہوتی ہے کہ اثر کس طرح پیدا ہوتا ہے ؟ اسی ایک مقصد کے لئے کوئی الفاظ میں تراش خراش اختیار کرتا ہے اور کوئی سادگی ' کوئی کلام کی بنیاد متانت اور سنجیدگی پر رکھتا ہے اور کوئی مزاح و ظرافت پر ' کوئی سوچ سوچ کر علمی اصطلاحیں اور فاضلانہ ترکیبیں استعمال کرتا ہے اور کوئی ڈھونڈ ڈھونڈ کر اہل زبان کے محاورے اور روز مرے بہم پہنچاتا ہے : اسی طرح کوئی کسی ڈھنگ پر چلتا ہے اور کوئی کسی طریقہ پر ' مگر حق یہ ہے کہ کلام کی تاثیر کو ان باتوں سے کچھ علاقہ نہیں —

جنگ هفتاد و دو ملت همه را عذر بنه
چوں نه دیدند حقیقت ره افسانه زدند

بے شک کلام کے مؤثر ہونے کے لئے اس کا سادہ اور بے تکلف ہونا ضرور ہے؛ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو کلام سادہ اور بے تکلف ہوگا وہ مؤثر بھی ضرور ہوگا - کلام کیسا ہی سادہ اور بے تکلف ہو ' جب تک کہ متکلم کا دل سچائی اور آزادی سے بھرا ہوا نہ ہو - کبھی مؤثر نہیں ہو سکتا - جس طرح تلوار کا کاٹ در حقیقت اس کی باڑ میں نہیں بلکہ سپاہی کے کرتبی ہاتھ میں ہے اسی طرح کلام کی تاثیر اس کے الفاظ میں نہیں بلکہ متکلم کی سچائی اور اس کی نڈر اور بے لاگ زبان میں ہے - وہی الفاظ جو ایک سچے اور دلسوز ناصح کی زبان سے نکلکر لوگوں کے دلوں پر تیر و سناں کا کام کرتے ہیں ' ممکن نہیں کہ ایک نمایشی واعظ کی زبان

پر ان میں کچھ بھی اثر باقی رہے - سچے ناصح کے لعن و طعن میں جو اثر ہوتا ہے وہ جھوٹے واعظ کی بشارتوں میں نہیں ہوتا سرسید کے کلام میں جو تاثیر تھی وہ در حقیقت ان کی سچائی اور حق گوئی کا نتیجہ تھا —

باوجودیکہ مسلمان صدھا سال سے نہ صرف مذہب میں بلکہ علوم و فنون میں ' لٹریچر میں ' رسم و رواج میں ' اخلاق و عادات میں ' طریق معاشرت میں ' غرض کہ ہر چیز میں اگلوں کی لکیر پر فقیر چلے آتے تھے اور کوئی ایسی بات جس سے کبھی اُن کے کان آشنا نہ ہوئے ہوں ' ہرگز سننی نہیں چاہتے تھے ' مگر سچ میں وہ کرشمہ ہے کہ تاریکی میں بھی وہ چمکے بغیر نہیں رہتا - جو شخص سب سے پہلے تقلید کی بندشوں کو توڑ کر اور سوسائٹی کی رکاوٹوں کو برطرف کرکے قوم کی اصلی بھلائی کے خیالات صاف صاف ظاہر کرتا ہے گو کہ وہ قوم کے مذاق اور اِلف و عادات کے کیسے ہی برخلاف ہوں' ان میں عجیب قسم کی کشش ہوتی ہے کہ ان کے سننے کے لئے کیا موافق اور کیا مخالف سب کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں اور دونوں فریق مختلف طور پر ان سے متاثر ہوتے ہیں ؛ پہلا ان کو حق سمجھکر بے چون و چرا قبول کرتا ہے اور دوسرا ان میں مقبولیت کے آثار نمایاں دیکھ کر خایف ہوتا ہے کہ مبادا یہ خیالات تمام قوم میں شایع ہو جائیں - سرسید کی تحریر میں یہی چیز تھی جس نے ان سیدھے سادے اور معمولی لفظوں میں جادو کا سا اثر پیدا کردیا تھا اور تمام قوم میں ہل چل ڈال دی تھی —

مگر اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سرسید کی تحریر جو بظاہر عبارت لفظی خوبیوں سے خالی معلوم ہوتی تھی درحقیقت اس میں لفظی خوبیاں نہ تھیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جب عمدہ اور پاکیزہ خیالات ایسے صاف اور معنی خیز لفظوں میں بیان کئے جاتے ہیں کہ لفظوں کے ساتھ ہی ساتھ معنی بھی ذہنوں میں اُترتے جاتے ہیں تو خیالات کی خوبی ناظرین کو الفاظ کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی بلکہ محاسن لفظی خیالات کے شکوہ میں دب جاتے ہیں - اس کے سوا جب مصنف کی ہمت محض عمدہ خیالات کے پھیلانے پر مقصور ہوتی ہے تو اس کے بیان میں محاسن لفظ کی اسی قدر گنجایش ہوتی ہے جس قدر کہ ہر مقام کا مقتضا ہوتا ہے - اور اس لئے وہ عبارت میں اس قدر گھل مل جاتے ہیں کہ جب تک بنظر غور نہ دیکھا جائے عام بیان اُن سے سادہ نظر آتا ہے - یہی وجہ ہے کہ سرسید کی تحریر میں لفظی خوبیاں ایسی اُجاگر نہیں معلوم ہوتیں جیسی دیگر مصنفوں کے کلام میں معلوم ہوتی ہیں، ورنہ صنایع لفظی کے سوا اس میں تمام محاسن لفظی و معنوی موجود ہیں، تشبیہیں بھی ہیں، استعارے بھی ہیں، کنائے بھی ہیں، تمثیلیں برجستہ اور تلمیحیں نہایت لطیف ہیں - بذلے اور لطیفے حد سے زیادہ دلکش اور دلفریب ہیں، کہاوتیں اور اشعار بر محل جا بجا نظر آتے ہیں، مگر اس قبیل کی جو چیز ہے اُس میں ایسا بے ساختہ پن پایا جاتا ہے گویا بے قصد و بے ارادہ مصنف کے قلم سے ٹپک پڑی ہے —

مگر جو چیز کہ سرسید اور دیگر مصنفوں اور مضمون نگاروں میں مابہ‌الامتیاز ہے وہ قدرت بیان ہے جس کے ثبوت کے لئے خود اُن کی مختلف تحریروں کو دیکھہ لینا کافی ہے - مصنف کی قدرت بیان کئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے ' ایک یہ کہ وہ ہر ایک مضمون کو اسی پیرایہ میں بیان کر سکے جو اس مضمون کی حالت کے مناسب ہے - کیوں کہ ہر قسم کے کلام کا پیرایۂ بیان جدا ہوتا ہے - جس ڈھنگ پر ناول لکھا جاتا ہے اس ڈھنگ پر تاریخ یا بائیوگرفی نہیں لکھی جاتی ' جہاں متانت اور سنجیدگی کا موقع ہوتا ہے وہاں ظرافت نازیبا معلوم ہوتی ہے - تشبیہ و استعارہ اگرچہ نظم و نثر کا زیور ہے مگر کسی سررشتہ کی سالانہ رپورٹ یا کسی مقدمہ کے فیصلہ یا کسی پبلک جلسہ کی روئداد میں اس سے زیادہ کوئی چیز بدنما نہیں ہوتی ؛ اسی لئے کہا گیا ہے " ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد " - مگر جہاں تک دیکھا جاتا ہے ہر مصنف پر اس کی طبیعت کے میلان کے موافق رفتہ رفتہ کسی خاص پیرایۂ بیان کا رنگ چڑھ جاتا ہے - جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ ایک خاص مضمون کے سوا اور کسی موضوع پر کچھہ نہیں لکھہ سکتا اور یا جس موضوع پر قلم اُٹھاتا ہے اس کو اسی خاص رنگ میں رنگنا چاہتا ہے مثلاً بعضوں کا قلم حسن و عشق کے میدان میں خوب دوڑتا ہے ؛ پس یا تو وہ ایسے مضمون پر قلم ہی نہیں اُٹھاتے جس میں حسن و عشق کی چاشنی نہ ہو اور یا ہر مضمون

لکھتے ہیں اس کو اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔
اسی طرح بعض کی طبیعت پر استعارہ اس قدر غالب ہوجاتا
ہے کہ سیدھے رستے سے بھی چکر کاٹے بغیر نہیں گزرتے'
بعضے ہر ایک مضمون میں ظرافت کی چاشنی دینی چاہتے
ہیں اگرچہ نفس مضمون اس سے اِبا کرتا ہو۔ غرض کہ جس
مضمون نگار یا مصنف کو دیکھئے اس پر کوئی نہ کوئی بھوت
سوار ہوتا ہے۔

مگر سر سید کی تحریروں کو ہم اس عام قاعدے سے
مستثنیٰ پاتے ہیں۔ ان کی ہر قسم کی بے شمار تحریریں
کیا تاریخی' کیا علمی' کیا مذہبی' کیا اخلاقی' کیا سوشل'
کیا پولٹکل' کیا اوفشل اور کیا لیگل۔ علی گڑہ گزٹ'
تہذیب الاخلاق' تصانیف احمدیہ' سالانہ رپورٹوں' عدالت کے
فیصلوں' جلسہ کی روئدادوں اور پرائیویٹ خطوں وغیرہ
میں موجود ہیں' ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک
شاخ میں وہی پیرایۂ بیان پایا جاتا ہے جو اس کے لئے موزوں
اور مناسب ہے۔ حالانکہ مصنف کو خود خبر نہیں کہ کس
مضمون کے لئے کونسا پیرایۂ بیان موزوں ہے مگر تحریر کی
قدرتی قابلیت بغیر قصد و ارادے کے قلم کو اس راہ پر
ڈال دیتی ہے جس پر اس کو چلنا چاہئے۔ جس طرح پہاڑ کی
رو رستے کے موڑ توڑ اور پیچ و خم کے ساتھ رخ بدلتی جاتی ہے
اسی طرح ہر مقام کے مقتضاء کے موافق تحریر کا رنگ
خود بخود بدل جاتا ہے' اگر علمی اور تاریخی مضامین میں
دریا کے بہاؤ کی سی روانی ہے تو مذہبی اور پولٹکل تحریروں

میں چڑھاؤ کی تیرائی کا سا زور ہے۔ اعتراضات کے جوابات میں متانت اور سنجیدگی ہے تو بے دلیل دعووں کے مقابلے میں ظرافت اور خوش طبعی۔ نصیحتیں نشتر کے زیادہ دلخراش اور مرہم سے زیادہ تسکین بخش ہیں۔ غصہ مہربانی سے زیادہ پر لطف اور نفرین آفریں سے زیادہ خوش آیند۔ وہی ایک قلم ہے جو اخلاق کے بیان میں ایک مورالسٹ کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے تو عدالت کے فیصلوں میں ایک کہنہ مشق جج کے ہاتھ میں اور سالانہ رپوٹوں اور جلسوں کی روئدادوں میں ایک تجربہ کار سکریٹری کے ہاتھ میں ــــ

علماء کی صحبت

از

(جناب مولوی غلام یزدانی صاحب ایم۔ اے، ناظم محکمۂ
آثار قدیمہ، حیدرآباد دکن)

[یہ دلپذیر اور پر اثر تقریر آپ نے
اورنگ آباد کالج کے سالانہ جلسہ مورخۂ ۶ نومبر
سنہ ۱۹۲۶ع میں فرمائی۔ طلبہ کے لئے بہت
بڑی ہدایت ہے]

جناب صدر انجمن صاحب و معزز حاضرین اور عزیز طالب علمو!
آپ کے لایق صدر نے چند روز ہوے جب وہ بلدے تشریف
لے گئے تھے مجھ سے از راہ کرم فرمایا تھا کہ یورپ کے علماء
کی صحبت سے جو اثر میرے دل پر ہوا اُس کا ذکر اس
جلسے میں آپ کے سامنے کروں۔ اُن علماء کی سادہ بے لوث
زندگی، علمی تبحر، مطالعے میں انہماک اور تحقیق کا شوق
ایسی خصوصیات ہیں جو ہندوستان کے طالب علم کو خواہ
اس نے مغربی طرز کے مدراس میں تعلیم پائی ہوئی یا ایشیائی
مکتبوں اور آشرموں میں پروان چڑھا ہو، ضرور عجیب نظر

آتی ھیں - جب کسی قوم میں انحطاط آتا ھے تو اس کا معیار علم بھی پست ھوجاتا ھے - ناداری اور افلاس کی بلا اخلاق کو خراب کردیتی ھے - معلموں کی زندگی اور عام پیشہ وروں کی زندگی میں مطلق فرق نہیں رھتا - ذاتی مفاد، تحصیل و تدریس کا نصب العین بن جاتا ھے - اور علمی تلاش کا حقیقی ذوق بالکل مفقود ھوجاتا ھے - ھمارے بد نصیب ملک کی آج کل یہی حالت ھے - مغربی تعلیم حاصل کرنے کی غرض محض کسب معاش ھے - اور مشرقی مدارس کی غایت ثواب اُخروی - علم کی جستجو محض علم کے شوق کی وجہ سے اس سر زمین میں آج کل عنقا ھے - اس تنزل کے اسباب خواہ سیاسی ھوں خواہ معاشی، لیکن اِس میں کچھہ شک نہیں کہ صحیح معنوں میں علمی چرچوں سے ھم نا آشنا ھوگئے ھیں - اور تہی دستی اور بد ذوقی یہاں تک پہنچ گئی ھے کہ اگر ھم کسی میں بھولے بسرے یہ شوق دیکھتے بھی ھیں تو ھم کو تعجب ھوتا ھے اور اس کی غایت ھماری سمجھہ میں نہیں آتی -

طالب علم کے دل و دماغ پر اُستاد کی زندگی اور طرز معاش کا بہت بڑا اثر پڑتا ھے - اور حقیقی طور سے پوچھئے تو وہ تربیت جو طالب علم کو خود بخود اس اثر سے حاصل ھوتی ھے وہ قومی فلاح اور کامیاب زندگی کے لئے ایسی تعلیم سے جو امتحانات کے پاس کرنے یا دستار فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے کتابوں کے درس کے ذریعے سے دی جاتی ھے، بدرجہا ضروری اور لازم ھے - ھندوستان والوں کو کیمبرج اور اکسفورڈ یا یورپ کی بعض اور قدیم درسگاھوں میں

ایک اور بات جو غیر معمولی نظر آتی ھے – وہ یہ ھے کہ پروفیسر طالب علموں کو اِس طور سے سبق نہیں دیتے جیسا کہ ھماری تعلیم گاھوں میں رواج ھے کہ استاد نے طالب علموں کو ایسی یاد داشتیں لکھا دیں جو امتحان میں کار آمد ھو سکتی ھیں اور اُن کو حفظ کر کے طالب علم کامیاب ھوگئے - وھاں کے پروفیسروں کا وقت زیادہ تر خود اپنی علمی تحقیقات میں گزرتا ھے، طالب علموں کو بھی مناسب ھدایات دی جاتی ھیں، لیکن یہ ھدایات تیار لقمے کی صورت میں نہیں ھوتیں، بلکہ اُن کو سکھایا جاتا ھے کہ وہ کن ذرائع سے اور کن کتابوں سے اپنے معلومات میں اضافہ کرسکتے ھیں - فرق یہ ھے کہ ھمارے ھاں کے کالجوں میں استاد بجائے بچوں کے دودھ پینے کی عادت کے چھڑانے کے جو ایک خاص وقت تک ضروری ھے، اِس عادت کو آخری وقت تک جاری رکھتے ھیں۔ اور نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ ھمارا طالب علم ایم، اے کے امتحان کے واسطے بھی اُسی طرح استاد کی یاد داشتوں کا محتاج ھوتا ھے جیسا کہ وہ مدرسے کی ابتدائی جماعات میں تھا –

میں نے آپ سے ابھی عرض کیا کہ استاد کی زندگی کا طالب علم کے اوپر بڑا اثر ھوتا ھے - یورپ کی اعلیٰ درسگاھوں میں علمی ترقی کا راز دراصل استادوں کی زندگی ھے - اُن کا علمی انہماک اور شغف گویا ایک رنگنی ھے جس میں طالب علم خود بخود رنگ جاتا ھے- اور حقیقی شوق جو علم کی جستجو کے لئے لازمی ھے اُس میں پیدا ھو جاتا ھے - میں اب آپ کو چند اساتذہ سے اپنی ملاقات کا ذکر سناؤں گا، جس سے میرے

خیالات اور واضح ھوجائیں گے —

پروفیسر بیون کا نام آپ نے سنا ھوگا - یہ کیمبرج میں عربی کے پروفیسر ھیں - ساری عمر عربی لغت کی تحقیق میں صرف ھوئی ھے - اور اب اس فن میں امام کی حیثیت رکھتے ھیں - بدن پتلا دبلا ھے اور مزاج میں زیادہ شگفتگی نہیں - اِس لئے طالب علم اِن کے پاس آنے جانے سے گھبراتے ھیں - باھر کم نکلتے ھیں اور زیادہ وقت مطالعے میں ' اپنی اقامت گاہ میں ' جو کالج کے اندر ھے ' گزرتا ھے - سر جان مارشل نے جو کیمبرج کے پرانے طالب علم ھیں میرے آنے کے متعلق پروفیسر صاحب موصوف کو لکھ دیا تھا - چنانچہ جب میں اُن کی اقامت گاہ پر پہنچا اور دستک دی تو بہت دیر تک کچھ جواب نہ آیا - معلوم ھوتا ھے مطالعے میں مستغرق تھے - جب دروازہ کھلا ' تو میں نے اپنا کارڈ شناسائی کی غرض سے دیا - اُسے ھاتھ میں لے لیا ' اور بیٹھ گئے - میں بھی بیٹھ گیا لیکن اُن کے چہرے سے معلوم ھوتا تھا کہ اُن کا خیال ابھی مطالعے ھی کی طرف تھا - یہ کیفیت کوئی پانچ منٹ تک رھی - مجھے اُن کے سکوت کو دیکھ کر افسوس ھوا کہ میں نے اُن کو ناحق تکلیف دی - آخر میں اُٹھنے لگا ' یکا یک کچھ چونک سے پڑے ' کہنے لگے بیٹھو بیٹھو ' کچھ سناؤ کیا کیا کرنا ھے ' کہاں کہاں جانا ھے ؟ میں نے اجمالی طور سے اپنے سفر کی غایت بیان کی اور اِسلامی فن تعمیر کی ضمن میں کہیں مسجد کی ابتدا کا ذکر آ گیا - فرمانے لگے : مسجد کا لفظ عبرانی کتابوں میں بھی آیا ھے ' اور سریانی زبان میں لفظ مسجد کے

معنی تقریباً وہی موجود ہیں، جو اسلام کی اشاعت کے بعد اس لفظ کے عربی زبان میں پیدا ہوگئے - پھر اس رائے کی تائید میں اتنے حوالے دئے اور اتنی دقیق بحث کی کہ میرے فہم سے باہر تھی - میں چپکا بیٹھا سنتا رہا - لیکن اُن کے شوق اور انہماک کا مجھ پر بے حد اثر ہوا - اور دل میں یہ خیال آیا کہ اے کاش یہ شوق ہمارے ملک کے ہونہاروں میں بھی پیدا ہو جائے --

اب میں آپ کو پروفیسر براؤن مرحوم کا حال سناتا ہوں - اُن کی عجب شخصیت تھی، دیکھنے میں تو ذرا سے آدمی تھے اور کوز پشتی کا عیب بھی موجود تھا' لیکن جب بات کرتے تھے تو چہرے سے کمال ذہانت ٹپکتی تھی - اور بذلہ سنجی کا یہ حال تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے تھے - طبیعت میں انتہا کا انکسار اور حلم تھا - اسی وجہ سے طالب علم اور آنے جانے والے ان کا بہت وقت ضائع کرتے تھے - ایشیائیوں کے لئے مہمانی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا - میرے آنے کا جب حال معلوم ہوا تو ڈاکٹر بدل الرحمن سے جو اس وقت کیمبرج میں تھے، کہا کہ اُن کو سیدھا اسٹیشن سے میرے پاس لے آنا - دو دن تک مہمانی رہی، پُر لطف باتیں کرتے تھے - ان دنوں بیوی کی علالت کی وجہ سے ذرا طبیعت میں انتشار تھا - اور اپنی صحت کی خرابی کو بھی محسوس کر رہے تھے - مسودوں کے بستے دکھائے اور کہا کہ خدا اس ذمہ داری کو پورا کرے - آنکھ میں چونکہ بے حد لحاظ تھا، اس لئے بعض اوقات چھپ چھپ کر کام کرتے تھے --

ایران اور اهل ایران کے ساتهه حقیقی عشق تها - اپنے ملک کی نگاہ جب کبهی بدلی هوئی دیکهتے تهے ' فوراً ایران کی بهلائی کے لئے کهڑے هو جاتے تهے ' اس پر خلوص محبت اور شیفتگی کی وجه سے سیاسی عہدهدار بهی اُن کا ادب کرتے تهے- سر وو لزے هیگ ایک قصه سناتے تهے - وه جب مشهد میں قونصل جنرل تهے ایک شاعر کو ایرانی سلطنت نے غداری اور بغاوت کے جرم میں قید کر دیا - شاعر نے پروفیسر براؤن کو عرضی لکهی اور مدد چاهی - اُن کے دل پر ایسا اثر هوا که فوراً سر وولزے کو خط لکها که جس طرح ممکن هو ' شاعر کو چهوڑا دو ' یه سمجهو که براؤن کا بیٹا قید هو گیا هے اور دستگیری کا وقت هے - سر وو لزے کہتے تهے که شاعر کے جرم میں مطلق شبه نه تها ' لیکن براؤن کی محبت کو دیکهکر مجهے شاعر کو بغیر رها کرائے بن نه پڑی —

یه محبت هی تهی که اس فاضل نے ایران کی ادبیات کو اس خوبی سے سمجها هے ' لیکن باوجود تبحر کے کبهی کسی قسم کی لن ترانی اُن کی زبان سے نهیں سنی گئی - شبلی کی تالیف " شعرالعجم " کے متعلق فرمانے لگے که " یه ایسے وقت لکهی گئی ' جب میں اپنی کتاب بہت کچهه لکهه چکا تها - اور چونکه یه اُردو میں لکهی گئی - اس لئے اس کے مطالعے میں مجهے بے حد دقت پیش آئی " - جب پروفیسر براؤن کے انکسار اور فضیلت کا مقابله هندوستان کے علماء کے مبلغ معلومات اور تعلی سے کیا جاتا هے تو اِن حضرات کے حال پر تاسف هوتا هے ' اور اُن کی تنگ مایگی پر غیر قوم والوں کے

سامنے شرم آنے لگتی ہے —

کیمبرج کے ایک پروفیسر کا ذکر میں اور کروں گا ۔ ان کا اسم گرامی ' سرولیم رجوے ' ہے ۔ یہ اپنی بد مزاجی کی وجہ سے مشہور ہیں ۔ میں نے اُن کی بعض تنقیدیں پڑھی ہیں ۔ خلاف واقعہ باتوں اور غلط بیانی کے دشمن ہیں ۔ اور اِس قسم کی کمزوریوں پر مصنفین اور مؤلفین کی دھجیاں اڑانے میں مطلق نہیں چوکتے ۔ علم الآثر کے پروفیسر ہیں اور ' سر جان مارشل ' کے اُستاد ہیں ۔ پروفیسر ' براؤن ' نے جب یہ سنا کہ مجھے ' سر ولیم رجوے ' سے بھی ملنا ہے ' تو پہلے تو بہت تعجب کیا ' لیکن پھر مسکرا کر چپ ہو رہے ۔ کیمبرج میں ' اِس زمانے میں موسم گرما کی تعطیل ہو گئی تھی ۔ اور ' سر ولیم ' اپنے ذاتی مکان میں چلے گئے تھے ' یہ لب دریا کیمبرج سے کوئی چار میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ میں کشتی میں سوار ہو کر اُن سے ملنے گیا ۔ یہ بھی عجب سیر تھی ۔ لیکن اِس وقت اُس کا ذکر موجودہ مضمون سے متعلق نہیں ۔ ' پروفیسر رجوے ' کا سن ستر سال سے زیادہ ہوگا ۔ نہایت بلند قامت ہیں اور ہاتھ پیر خوب مضبوط ہیں ۔ لیکن بینائی نے بالکل جواب دے دیا ہے ۔ میرے آنے کی خبر ملی تو فوراً نکل آ ئے اور میری پشت پر ہاتھ رکھکر مجھے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگے " مجھے تمھارے آنے سے بے حد خوشی ہوئی ہے ۔ تم میں تیسری پیڑی نظر آتی ہے ۔ ' سر جان مارشل ' میرے شاگرد ہیں اور تم اُن کے " — پھر اُن کی بیوی آگئیں ' اُن سے بھی اسی طرح تعارف کرایا — اور ایسی محبت سے باتیں کرتے رہے ' جیسے

کوئی اپنے بچوں سے کرتا ہے، پھر اپنے گھر کی ایک ایک چیز
دکھائی ۔ بصارت کی کمی کی وجہ سے چلنا پھرنا دشوار تھا،
لیکن میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر صحن میں گئے اور ایک
دھوپ گھڑی دکھائی، جس کی کچھ تاریخی اہمیت تھی، اُس
کا سارا حال سنایا ۔ شام کو کھانے کے بعد کہنے لگے کہ مجھکو
ہندوستان کے آثار کے متعلق کچھ معلوم نہیں، سنتا ہوں
وہاں کے فنون لطیفہ میں یونانی اثر غالب ہے ۔ تم ہندوستان
کے رہنے والے ہو، کچھ تم بیان کرو ۔ جو کچھ میں کہتا تھا
نہایت غور سے سنتے تھے اور کبھی کبھی سوال بھی کرتے تھے ۔
لیکن اس تمام بات چیت میں شفقت کا رنگ غالب تھا اور
یہ معلوم ہوتا تھا کہ محبت کا دریا اُمڈا چلا آرہا ہے۔ دو روز
اِس صحبت میں عجیب لطف سے گزرے اور مجھے معلوم ہو گیا
کہ اہل علم کے نزدیک شاگرد اور اولاد میں مطلق فرق نہیں،
اور یہی گہرا قلبی تعلق ہے، جو علمی ترقی کا راز ہے —

کیمبرج کے تین پروفیسروں کی شان آپ نے سن لی، اب
تھوڑی دیر کے لئے میں آپ کو یورپ سے شام میں لے جاتا ہوں،
بیروت میں عیسائی پاپاؤں کا جو دارالعلوم قائم ہے اِس سے تو
آپ شاید واقف ہوں گے ۔ یہاں ایک اُستاد، پاپا شیخو، نامی
ہیں۔ اِسلامی علوم میں فرد ہیں۔ یورپ کے تمام مستشرقین
اُن کا بہت احترام کرتے ہیں ۔ عرب کی قدیم تاریخ انہیں
خوب معلوم ہے ۔ اور چند سال ہوے فرانسیسی زبان میں
مکۂ معظمہ کے حالات پر ایک ضخیم کتاب بھی تالیف کی ہے
، موسیوپروست، جو خود ایک زبردست "اثری" ہیں، مجھے

' پاپا شیخو ' کے پاس لے کر گئے - شام کا وقت تھا - خانقاہ میں
جہاں ' پاپا شیخو ' اور اور پاپا رہتے ہیں اُسے قلعہ سمجھنا
چاھئے - ایک برآمدے میں پاپا ٹہل رہے تھے - ' موسیوپروست '
کو آتا ہوا دیکھ کر جلد آگے بڑھے اور فرمایا " دوہرا شکریہ
اور دوگنی مسرت کہ خود بھی آے اور اپنے ساتھ ایک اور
عنایت فرما کو بھی لاے" - 'پاپا شیخو' چھریرے بدن کے ہیں -
قدمیانہ ہے - ہونٹ پتلے پتلے اور آنکھیں نہایت روشن - بات
کرنے میں اکثر مسکراتے رہتے ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ زہد
نے اُن میں کسی قسم کی خشکی یا انقباض پیدا نہیں کیا - ہم
کو اپنے حجرے میں لے گئے ' اس میں سوا ے پلنگ اور ایک
میز اور دو تین کرسیوں کے اور کوئی سامان نہ تھا - کرسیاں
بھی نہایت چھوٹی چھوٹی اور ہاتھ رکھنے کے لئے ان میں
تدنقے وغیرہ نہ تھے ' زندگی نہایت سادہ بسر کرتے ہیں ' اور
تمام وقت مطالعہ اور تالیف و تصنیف میں گزرتا ہے - اُن کا
حجرہ خانقاہ کی اُسی منزل میں ہے جہاں کتب خانہ ہے - مجھ
سے ' مکۂ معظمہ ' ' طایف ' ' مدینۂ منورہ ' وغیرہ کے حالات
پوچھتے رہے - کہنے لگے کہ ہم خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں -
اس لئے اکثر لغزش ہوتی ہے - مورخ کے واسطے سیاحت اور قدیم
مقامات کا دیکھنا ضروری ہے - پاپا سے صحبت تو کوئی دوگھنٹے
تک ھی رھی - لیکن ان میں میں نے ایک عجیب مقناطیسی اثر
پایا - خبر نہیں وہ اُن کے زہد یا استغنا کی وجہ سے ہے ' یا علمی
شوق کی وجہ سے ' یا طبیعت کی قدرتی شگفتگی اور سحربیانی
کی وجہ سے - کیسے خوش نصیب ہیں وہ طالب علم ' جن کو ایسے

اُستاد کی شاگردی کا فخر حاصل ہوگا۔

عزیز طالب علمو ! آپ کے صدر صاحب نے مجھ سے فقط یورپ اور بیرونی ممالک کے اساتذہ کے حالات بیان کرنے کے متعلق فرمایا تھا - لیکن میں اس موقع پر ایک اور عالم کا بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں ' جن کے اخلاق میں گو ہمارے ملک میں رہنے کی وجہ سے وہ کشش نہیں رہی ' جو میں اور اساتذہ کی نسبت بیان کرچکا ہوں ' لیکن وقت کی قدر '' عمل میں احتیاط ' اور ' تحقیق کا شوق ' اس درجہ ہے کہ ان کی بدولت وہ دنیا کے مشہور و معروف آدمیوں میں سے ہوگئے ہیں - ان عالم کا نام ' سر اریل اسٹاین ' ہے - نسل سے یہودی ہیں ' ہنگری کے رہنے والے ہیں ' آکسفورڈ میں تعلیم پائی - ہندوستان میں آکر پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار رہے ' اور پھر صوبۂ سرحدی کے ناظم تعلیمات ہوگئے - تحقیق کا شوق آکسفورڈ سے ساتھ لائے ' وہاں پالی اور سنسکرت کا درس لیتے تھے اور وسط ایشیا کے ریگستانوں کی ا چھان بین کے خواب دیکھتے تھے - ہندوستان آنے کے بعد ' گو ملازمت کرتے رہے ' لیکن دل بدھ مت کے کھنڈروں کی تلاش کے شوق میں لگا رہا اور تیاری کرتے رہے - آخر جب موقع ملا ' تو تین دفعہ وسط ایشیا کا سفر کیا - پہاڑ اور ریگ چپہ چپہ زمین کی مساحت کی ' اور علم و فضل ' فن و کمال کے وہ خزانے ڈھونڈے کہ دنیا حیران ہوگئی - سر آریل اسٹاین نہ غیر معمولی طور سے ذہین ہیں اور نہ بہت بڑے فاضل - ان کی ترقی کا راز وہی صفات ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا - وسط ایشیا کی بے آب ریگ

سیاحوں کو آگے نہ بڑھنے دیتی تھی - انھوں نے پہلے سے اندازہ کرلیا کہ منزل مقصود تک پہنچنے میں کتنے پانی کی ضرورت ہوگی رستے کی دقتوں کے لحاظ سے روزانہ کس قدر مسافت طے کرنی چاہئے ' آخر ڈیڑھ سو اونٹ برف سے لدے ہوے ساتھ لے کر کشمیر کے پہاڑوں سے روانہ ہوے - جو رفتار مقرر کرلی تھی- اس میں مطلق فرق نہ آنے دیا - بیمار ہوے' پیر کا انگوٹھا سردی کی شدت کی وجہ سے گل گیا ' لیکن یہ ارادے کا پکا ' آگے بڑھے گیا اور آخر ٹھیک اتنی مدت میں جتنا کہ اندازہ کیا تھا ' اپنی سیاحت کو کامیابی کے ساتھہ ختم کیا - خود فرماتے تھے کہ چونکہ وقت کم رہ گیا تھا ' اس لئے بھائی رام سنگھ کو جو پیمایش کے واسطے ساتھہ گئے تھے ' میں نے ایک جانب بھیجا اور خود دوسری جانب روانہ ہوا ' تاکہ کام جلد ختم ہوجاے - چلتے وقت بھائی رام سنگھ کو ہدایت کردی کہ جو نظام العمل مقرر کیا ہے ' اگر اس کی پابندی نہ کی گئی ' تو ہم دونوں ریگستان میں ہلاک ہوجائیں گے - کہتے تھے " جس روز ہم دونوں ٹھیک اسی موقع پر اور اسی وقت ملے ہیں جہاں کہ ہم نے اندازہ کیا تھا ' تو ہماری خوشی کا کچھہ ٹھکانا نہ تھا " —

سنہ ۱۹۱۹ م میں یہ ممالک محروسہ میں تشریف لاے تھے - ایک ہفتہ تک مجھہ کو ان کے ساتھہ رہنے کا اتفاق ہوا ' وقت کی قدر اور احتیاط کا حال آپ سنیں گے تو حیران ہوں گے ' وقت پر سوتے تھے ' وقت پر اٹھتے تھے ' اور وقت پر کُل کام کرتے تھے - اور اتفاق سے اگر نظام العمل میں فرق آجاتا تھا تو

وقت کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ صبح کو چاء پلانے اور داڑھی بنانے کے لئے، گرم پانی دینے کا وقت بندھا ہوا تھا۔ ایک روز گرم پانی لانے میں دیر ہوئی - یہ فوراً قلمدان کھول، خط لکھنے میں مشغول ہوگئے۔ جل گاؤں کے اسٹیشن پر پہنچے تو اطلاع ملی کہ پنجاب میل دو گھنٹے تاخیر سے آئے گا۔ مجھ سے کہنے لگے "معاف فرمائیے، میں اپنی یادداشتوں کو صاف کرلوں، ورنہ پھر یہ وقت ضائع جائے گا"۔ ہر چیز قفل کنجی میں رکھتے تھے - اور جو کام کرتے تھے، اس کو فوراً اس کی حد تک مکمل کردیتے تھے۔ اجنتا میں مولوی سید احمد صاحب بھی ساتھ تھے ہم دونوں بعض وقت ہنستے تھے، کیونکہ انھوں نے ایک ہی غار میں کئی فوٹو لئے، لیکن جہاں ایک فوٹو لے لیا، فوراً صندوق میں کیمرے کو بند کرکے قفل لگا دیتے تھے - اور پھر جب تھوڑی دیر بعد دوسرا فوٹو لینا ہوتا تھا تو پھر کیمرے کو نصب کرتے تھے اور پھر قفل لگاتے تھے - نوٹ بک کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بار بار تھیلے سے نکلتی تھی اور پھر مقفل ہوجاتی تھی۔ میرے عزیز دوستو وقت کی قدر اور احتیاط، یہی سر آریل اسٹائن کی نمایاں کامیابی کے راز ہیں اور یہ ایسی صفات ہیں کہ ہمارے ملک میں کم نظر آتی ہیں -

حضرات! علماء کی جو صفات میں نے آپ کے سامنے بیان کیں، یہ طالب علم کی زندگی میں کایا پلٹ کردیتی ہیں، لیکن ایسی نہیں کہ ہمارے امکان سے باہر ہوں۔ فضل و کمال کسی خاص قوم کا ورثہ نہیں، کبھی آپ کی بھی یہ حالت تھی کہ آپ شمالی یورپ کی اقوام کو جو آج دنیا میں ممتاز ہیں

فلسفہ اور سائنس کے میدان میں بلید الذہن، کم فہم اور جاہل سمجھتے تھے - اگر آپ کو میرے بیان میں شبہ ہو تو ابن حزم کی کتاب "الفصل فی الملل والا ہوا والنحل" کو دیکھئے کہ کیا لکھتے ہیں یا ابن سعید کی تصنیف "طبقات الامم" کو ملاحظہ فرمائیے کہ شمالی یورپ کے باشندوں کے متعلق اُن کی کیا رائے ہے - عروج و زوال ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہیں، مایوس نہ ہونا چاہئے- عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی غایت یہی ہے کہ ہمارے ملک کے ہونہاروں میں علم کا سچا شوق پیدا ہو - خدا کی رحمت ہے کہ اس نے ہم کو ایسا بادشاہ دیا جو علم و فضل کا حقیقی سرپرست اور حامی ہے - نصاب کا تقرر اور طریق تعلیم کی اصلاح ہمارے ہاتھوں میں ہے - ترقی کے لئے کوئی امر مانع نہیں - اساتذہ کو چاہئے کہ اپنے نصب العین بدل دیں؛ اور وہ شوق و انہماک دکھائیں جو علم کی شمع برداری کے لئے لازم ہے مستقبل بہت خوش آیند ہے - ملک میں سرجگدیش بوس اور رابندر ناتھ ٹگور پیدا ہوچکے ہیں- طلبۂ اورنگ آباد! تم سے بڑی بڑی اُمیدیں ہیں، تم ایسے خطے میں رہتے ہو جہاں تمہارے بزرگوں کے کارنامے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں - تغلق کی اولوالعزمی، بہمنیوں کی شوکت، مغلوں کی تہذیب اور نفیس ذوق سے اپنے کمھلائے ہوئے دلوں میں روح پھونکو! سالباہن کے قصے اور راجہ کرشنا کی حکایات تمہاری گھٹی میں ہیں - اجنٹا کی تصاویر اور ایلورہ کے معابد تمہارے ہی اسلاف کے بنائے ہوئے ہیں، تھئی ہوئی ہمتوں اور مٹے ہوئے ولولوں کو پھر پیدا کرو! تمہیں ایک

اور بڑی خصوصیت بھی حاصل ہے، وہ تمہارے صدر کی پاک اور بے لوث ہستی ہے - اس کی بے نظیر زندگی کی تقلید کرو- علم کی لو جو اس کے دل کو لگی ہوئی ہے، اگر تم نے بھی پیدا کر لی تو بیڑا پار ہے —

سائنس اور شاعری

ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کا یقین نہیں کرتے کہ سائنس کسی شخص کو صناع یا صاحب فن بنا سکتا ہے اگرچہ ہم اس امر پر زور دیتے ہیں کہ ہر ایک صناع کو نفسیات و طبیعات کے بڑے بڑے قوانین سمجھ لینے چاہئیں، لیکن ہم اس بات سے مطلق بحث نہیں کرتے کہ ان قوانین کی واقفیت قدرتی ملکہ کی جگہ کام دے سکتی ہے؛ نہ صرف شاعر بلکہ ہر قسم کا صاحب فن پیدا ہوتا ہے بنتا نہیں - بیان بالا سے ہمارا مطلب صرف اتنا ہے کہ خلقی قابلیت با ضابطہ علم کی مدد سے مستغنی نہیں ہو سکتی - قدرتی ذکاوت بہت کچھ کر سکتی ہے مگر سب کچھ نہیں کر سکتی جب فطرتی جوہر کا ازدواج سائنس کے ساتھ ہوتا ہے تب کہیں اعلیٰ ترین نتائج پیدا ہو سکتے ہیں —

سائنس جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کسی صنعت میں پورا کمال حاصل کرنے کے لئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ

فنون لطیفه کو پوری طرح سمجھنے کے لئے بھی درکار ہے' کسی تصویر کی خوبیوں کو معلوم کرنے کی لیاقت بچے کی نسبت بڑے آدمی میں کیوں زیادہ ہوتی ہے؟ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھہ نہیں ہے کہ قدرت اور زندگی کے واقعات جو تصویر میں ظاہر کئے جاتے ہیں بڑے آدمی کو ان کا علم بہت زیادہ ہوتا ہے - کیا وجہ ہے کہ ایک مہذب شریف آدمی ایک دهقان کی نسبت عمدہ نظم سے زیادہ لطف اُٹھاتا ہے ؟ صرف یہ وجہ ہے کہ اُس کو مختلف اشیاء اور حرکات سے بہت زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور اسی واقفیت کی بدولت نظم میں اُس کو بہت سی باتیں نظر آتی ہیں جو دهقان کو نظر نہیں آ سکتیں- اور اگر تصویروں کی خوبیوں کو سمجھنے سے پہلے اصل چیزوں سے جن کی وہ تصویریں ہیں' کچھہ نہ کچھہ واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے- جیسا کہ بیان مذکور سے صاف ظاہر ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ تصویر کی پوری خوبی اُسی وقت سمجھہ میں آسکتی ہے جب کہ اصل چیزوں کو پوری طرح سمجھہ لیا جائے - حقیقت یہ ہے کہ کسی صنعت کے کام میں جس قدر زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے اُسی قدر وہ لوگ جو اس اصلیت سے بے بہرہ ہیں اُس خوشی سے محروم رہتے ہیں- کوئی صناع کسی خاص کام میں حقایق اصلیه کو جس قدر زیادہ ظاہر کرتا ہے اُسی قدر زیادہ طبیعتوں کو اُس کام کی طرف مائل کرلیتا ہے' اُسی قدر زیادہ خیالات اُس کام کو دیکھہ کر دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اُسی قدر زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے- مگر اس لطف کے حاصل کرنے کے واسطے یہ بات

ضرور ہے کہ صناع نے اپنی صنعت میں جن حقیقتوں کا اظہار کیا ہے، دیکھنے والا، سننے والا اور پڑھنے والا اُن کو جانتا ہو اور اُن حقیقتوں کا جاننا گویا اُن کی حد تک سائنس سے واقف ہونا ہے —

اب ایک بڑے معاملے کو جو اور بھی زیادہ ضروری ہے ہم کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، یعنی یہ بات کہ سائنس نہ صرف بت تراشی، مصوری، موسیقی اور شاعری کی بنیاد ہے بلکہ سائنس بجائے خود شاعری ہے۔ یہ خیال جو عام طور پر مشہور ہے کہ سائنس اور شاعری ایک دوسرے کے مخالف ہیں ایک دھوکا ہے۔ یہ بات حقیقت میں سچ ہے کہ ادراک اور جذبہ جو شعور یا نفس کی دو مختلف حالتیں ہیں، ایک دوسرے کو خارج کرنا چاہتی ہیں، اور بے شک یہ بھی سچ ہے کہ حد اعتدال سے بڑھ کر قوائے متفکرہ کا عمل جذبات کو مردہ کر دیتا ہے۔ علیٰ ھذالقیاس جذبات کا عمل، اعتدال سے زیادہ ہو تو قوائے متفکرہ کو مردہ کر دیتا ہے در حقیقت اس معنی میں تو سب قسم کی قوتیں ایک دوسرے سے متناقض ہیں مگر یہ بات کہ سائنس کے واقعات شاعری کے منافی ہیں یا بہ عبارت دیگر "سائنس کی تحصیل لازمی طور پر تخیل، احساس اور حسن کے خلاف واقع ہوتی ہے" ہرگز صحیح نہیں ہے۔ بر عکس اس کے سائنس شاعری کی اُس اقلیم کو ہمارے سامنے بے نقاب کر دیتی ہے، جو سائنس سے نا واقف لوگوں کی نگاہ میں بالکل چٹیل میدان ہے۔ جو لوگ سائنس کی تحقیقات میں مصروف ہیں وہ بہ نسبت

دوسرے لوگوں کے اپنے مضامین کی شاعری کا لطف کم نہیں بلکہ زیادہ خوبی و صفائی کے ساتھ اُٹھاتے ہیں- جو شخص ہیوملر کی تصانیف علم طبقات الارض میں غور و خوض کرے یا مسٹر لوئس کی کتاب " سی سائڈ سٹڈیز " (تحقیقات بحری) کا مطالعہ کرے اُس کو ضرور معلوم ہوجائے گا کہ سائنس شاعری کے جوش کو سرد نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ بڑھاتا ہے اور جو شخص گیٹے کی سوانح عمری پر غور کرے گا اُس کو یہ بات ضرور معلوم ہوجائے گی کہ شاعر اور سائنس کا عالم ایک ہی وقت میں یکساں مستعدی سے کام کرسکتا ہے - کیا یہ بات در حقیقت بیہودہ اور قریب قریب ناپاک اعتقاد نہیں ہےکہ جس قدر زیادہ کوئی شخص قدرت کا مطالعہ کرے گا اسی قدر کم اُس کی توقیر کرے گا ؟ - کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پانی کا قطرہ جو عام لوگوں کی نظر میں صرف پانی کا قطرہ ہے ماہر علم طبیعات کی نظر میں اُس کی وقعت کچھ کم ہو جائے گی جو اس بات کو جانتا ہے کہ اُس قطرے کے ذرات ایک قوت کے ذریعے سے وابستہ ہیں اور اگر وہ قوت یکایک زایل ہو جائے تو اس سے بجلی کی چمک پیدا ہوگی ؟ - کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس شے کو ایک نا واقف آدمی بے پروائی سے برف کا گالا سمجھتا ہے اگر اُس کے عجیب و غریب ' گونا گوں ' پاکیزہ ' برفانی ' شفاف اور بلور نما اوراق کو کوئی شخص خوردبین کے ذریعہ سے دیکھے گا تو اُس کے دل میں اعلیٰ درجے کے خیالات کا تسلسل پیدا نہ ہوگا؟ - کیا تم سمجھتے ہو کہ ایک گول چٹان جس کا پتھر جس پر متوازی خطوط کے نشانات کُھدے ہوئے ہیں

جاهل آدمی کے دل میں اسی قدر شاعرانہ خیالات پیدا کرتا ھے
جس قدر کہ عالم ارضیات کے دل میں جو اس بات کو جانتا ھے
کہ دس لاکھہ برس پہلے ایک برف کا تیلہ اس چٹان پر بہتا
ہوا گزرا تھا ؟ اصل بات یہ ھے کہ جو لوگ کبھی سائنس کے
مشاغل میں مصروف نہیں رھے وہ شاعری کے بہت بڑے حصے
سے جو ان کے گرد و پیش موجود ھے بالکل محروم اور
اندھے ھیں - جس شخص نے جوانی کے زمانے میں پودوں اور
کیڑوں کو جمع نہ کیا ہو وہ اس دلچسپی کی آدھی قدر
بھی نہیں جانتا جو گلی کوچوں اور خاردار جھاڑی کی
قطاروں سے حاصل ھوسکتی ھے - جس شخص نے معدنی اشیا
متحجرہ کی کبھی تلاش نہ کی ھو اس کو اُن شاعرانہ خیالات
کا تصور بہت کم ھوسکتا ھے جو ان مقامات میں پیدا ھوتے
ھیں جہاں یہ خزانے زمین کے اندر پائے جاتے ھیں - جس شخص
نے سمندر کے کنارے پر خردبین کے ذریعہ سے آبی جانوروں
کے حوض کا معائنہ نہ کیا ھو ابھی اس کو یہ بات سیکھنی ھے
کہ سمندر کے کنارے پر سب سے اعلیٰ درجہ کی پر لطف چیزیں
کون سی ھیں - حقیقت میں اس امر کا دیکھنا افسوس ناک ھے
کہ لوگ خفیف باتوں میں اپنے تئیں مصروف رکھتے ھیں اور
نہایت عظیم‌الشان مظاہر قدرت کی طرف سے غافل اور لاپروا
ھیں - گنبد افلاک کی عمارت کو سمجھنے کی پروا نہیں کرتے
مگر " میری " ملکۂ اسکاٹ لینڈ کی سازشوں کی بابت ذلیل
بحث و مباحثہ میں گہری دلچسپی لیتے ھیں ! یونانی غزل
پر عالمانہ نکتہ چینی کرتے ھیں اور اس عظیم‌الشان مثنوی

کو جو خدائے تعالی نے اپنے دست قدرت سے طبقات الارض
پر لکھی ھے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور اس کے پاس سے
کترا کر نکل جاتے ھیں —

پس ہم دیکھتے ھیں کہ سائنس کی تعلیم انسانی کار و بار
کی اس آخری حصہ کے لئے بھی مناسب سامان مہیا کرتی ھے -
هم دیکھتے ھیں کہ علم حسن عموماً لازمی طور پر سائنس
کے اصول پر مبنی ھے اور ان ھی اصول کی واقفیت کی بدولت
اُس کو پوری کامیابی کے ساتھہ حاصل کیا جاسکتا ھے ۔ ھم
دیکھتے ھیں کہ ھر ایک فن کی تنقید اور اس کی خوبیوں
کی پوری قدر کرنے کے لئے چیزوں کی ماھیت کا علم یا
دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ سائنس کا علم ضروری ھے -
اور ھم صرف اتنی بات نہیں دیکھتے کہ سائنس تمام قسم
کے فنون اور شاعری کی سہیلی ھے بلکہ یہ بات بھی دیکھتے
ھیں کہ اگر صحیح طور پر خیال کیا جائے تو سائنس بجائے
خود شاعری ھے —

(ماخوذ از فلسفۂ تعلیم)

ایران کی بہار نوروز

از

(شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد مرحوم)

آفتاب آخر حوت پر پہنچا اور موسم میں تبدیلی نظر آئی - دل گھبرانے لگتے ہیں - آمد بہار کی تاثیر سے زمین سانس لیتی ہے - در و دیوار کے مسامات سے گرمی نکلتی معلوم ہوتی ہے - پھر چند روز کے بعد کچھ اس سے زیادہ ہوتا ہے کہ در و دیوار میں پسینا سا بہتا ہے - ساتھ ہی بہار کا موسم شروع ہوجاتا ہے - ۲۱ یا ۲۲ مارچ کو نو روز ہوتا ہے - یا تو درختوں پر پتوں کا نام نہ تھا ، سب شاخ بلور بنے کھڑے تھے اور زمین آسمان برف ہی برف نظر آتے تھے ، یا برف باری موقوف ہوجاتی ہے ، آٹھ دس دن کے بعد کبھی ایک آدھ دفعہ کوئی ہلکا سا جھالا پڑگیا پڑگیا - ورنہ برف ہر طرف ، زمستاں موقوف ، جہاں ہوتی ہے پانی ہوتی جاتی ہے - نہریں ، حوض ، تلاؤ وغیرہ ، بلکہ اکثر دریا کہ جم کر آئینہ ہوگئے تھے وہ پگھلنے لگتے ہیں - نہروں کی نالیوں میں چپکے چپکے پانی سر سرانے لگتا ہے ، پھر حوضوں کے اوپر کا تختہ

کنارے کنارے سے پگل جاتا ہے گویا حوض نے دھن کھول دیا۔ کناروں پر سبزہ اور سبزہ میں کلیاں آ جاتی ہیں —

دھن ناکشادہ لب آ بگیر

کہ آید لب غنچہ را بوے شیر

میرے دوستو! جب تک ایسے ملکوں میں جا کر حالت مذکورہ کو آنکھوں سے نہ دیکھے تب تک شعر مذکور اور اس قسم کے اشعار کوئی کیا سمجھہ سکتا ہے۔ اکثر شارح اور محشیوں نے صفحے سیاہ کئے ہیں اور اصل مطلب کے سایہ تک نہیں پہنچے۔ پھر دیکھہ لو! انشا پردازی نے اپنے ملک کی حالت اور موسم کی کیفیت کو کیوں کر ظاہر کیا ہے۔ زمیندار اپنے کھیتوں پر آتے ہیں، باغ والے باغوں میں پہنچتے ہیں۔ باغچے سب کے پاس ہیں، بعض کے گھروں میں چھوٹے چھوٹے خانہ باغ ہیں، غریب اپنے دوست آشناؤں کو لیکر انگوروں کی دار بستیں باندھتے ہیں، درختوں کو چھانٹتے ہیں، کیاریاں صاف کرتے ہیں۔ درخت جو سوکھی جھاڑیاں نظر آتے تھے اُن میں پھر جان آتی ہے۔ اس طرح کہ آج صبح کو دیکھا ٹہنیوں پر برف نہیں رہی، کل صبح کو دیکھا تو سبزی کی تحریر معلوم ہوئی، دوسرے دن دیکھا تو ہری ہری کونپلیں مگر سبزی بھی ایسی صاف شفاف کہ آنکھوں میں طراوت آئے۔ جس درخت کی طرف دیکھو زمرد کی ٹہنیاں بن گئیں! آٹھہ دس دن میں ہرا بھرا درخت لہلہا رہا ہے۔ باغ و گلزار میں بلکہ گھر گھر کی کیاریوں میں گلاب کھل گیا ہے؛ در و دیوار پر سبزۂ خودرو بھی اُگا تو ایک گل خودرو لئے اُگا۔ لوگ گھروں میں

سکڑے بیٹھے تھے، نکل کھڑے ہوئے؛ بند کام جاری ہو گئے، آسودہ حال لوگ گھوڑوں پر چڑھے، دوست آشناؤں کو لیکر باغوں میں گئے، بہاریں منائیں - عورتیں بھی باغوں اور کھیتوں میں گئیں اور دل خوش کرنے لگیں - نو روز اپنے رخ رنگیں سے برف کا برقع الٹ دیتا ہے یا پری رویوں کے رخ زیبا سے کہ جو برف کے سبب سے لحافوں میں دبکے بیٹھے تھے - ہر طرح لطف زیادہ بر زیادہ ہے —

اِدھر گلاب کھلا اُدھر بلبل ہزار داستاں اس کی شاخ پر بیٹھی نظر آئی - بلبل نہ فقط پھول کی ٹہنی پر بلکہ گھر گھر درختوں پر بولتی ہے اور چہہ چہہ کرتی ہے - اور گُلاب کی ٹہنی پر تو یہ عالم ہوتا ہے کہ بولتی ہے، بولتی ہے، بولتی ہے حد سے زیادہ مست ہوتی ہے تو پھول پر منہ رکھ دیتی ہے اور آنکھیں بند کر کے زمزمہ کرتے رہ جاتی ہے - تب معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں نے جو اس کے اور بہار کے اور گل و لالہ کے مضمون باندھے ہیں وہ کیا ہیں اور کچھ اصلیت رکھتے ہیں یا نہیں - وہاں گھروں میں نیم، کیکر کے درخت تو ہیں نہیں، سیب، ناشپاتی، بہی، انگور کے درخت ہیں - چاندنی رات میں کسی ٹہنی پر آ بیٹھتی ہے اور اس جوش و خروش سے بولنا شروع کرتی ہے کہ رات کا کالا گنبد پڑا گونجتا ہے - وہ بولتی ہے اور اپنے زمزمہ میں تانیں لیتی ہے اور اس زور شور سے بولتی ہے کہ بعض موقع پر جب چہہ چہہ چہہ کر کے جوش و خروش کرتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سینہ پھٹ جائے گا - اہل درد کے دلوں میں سن کر درد پیدا ہوتا اور جی بے چین ہو جاتے ہیں—

میں ایک فصل بہار میں اس ملک میں تھا چاندنی رات میں صحن کے درخت پر آن بیٹھتی تھی اور چہکارتی تھی تو دل پر ایک عالم گزر جاتا تھا؛ کیفیت بیان میں نہیں آسکتی ، کئی دفعہ یہ نوبت ہوئی کہ میں نے دستک دے دیکر اُڑا دیا - یہ موسم دلوں میں جوش پیدا کرتا ہے - چنانچہ جب چاندنی رات ہوتی ہے تو چند آشنا ہم طبع ، ہم نفس ، زندہ دلی کی امنگ میں آکر کہتے ہیں ، " بیائید امشب شب گل کنیم " باغ جاتے ہیں رات کو وہیں رہتے ہیں؛ بہار مناتے ہیں اور زندگی کی بہاریں لوٹتے ہیں —

نگار خانۂ قدرت کے دیکھنے والے دیکھیں گے کہ ہمارے ہندوستان کی بہار کا موسم برسات ہے - جو لطف وہاں بہار میں ہوتے ہیں یہاں برسات میں ہوتے ہیں - ہندوستان میں بلبل کا زمزمہ نہیں - کوئل کی کوک اور پپیہے کی ہوک دلوں پر آفت لاتی ہے - تلاؤ پڑے چھلکتے ہیں ، جھیلیں موجیں مارتی ہیں ، دریاؤں کے چڑھاؤ مستیاں دکھاتے چلے جاتے ہیں ، گل اور لالہ ان دنوں میں نہیں پھولتا مگر چنپا ، موتیا ، رائے بیل وغیرہ وغیرہ پھولوں کی خوشبو سے عالم مہک جاتا ہے - دلوں پر بھی جو اثر شگفتگی کے برسات میں ہوتے ہیں بہار میں نہیں ہوتے - گھٹا گھنگور چھائی ہے ، کبھی مینہ برس رہا ہے ، کبھی پھوار پڑتی ہے ، بادل گرجتے ہیں ، بجلیاں چمکتی ہیں ، مور بولتے ہیں - باغوں میں جاتے ہیں پلکھے چڑھتے ہیں ؛ آموں کی سیریں ہو رہی ہیں ؛ ٹپکا لگا ہوا ہے ؛ درختوں میں جھولے پڑے ہیں - شاعروں نے بھی جو برسات کے گیتوں میں

مزے لئے ھیں وہ بسنت میں نہیں لئے - وجہ اس کی یہی ھے کہ
قدرتی بہار بسنت کی ھندوستان میں سوائے سرسوں کے اور
کچھہ نہیں - اس کے علاوہ عمر بھی تھوڑی ھے ، دو تین ھفتے
میں گرمی آتی ھے اور سارا لطف خاک میں ملادیتی ھے - ھند
کے انشاپردازوں نے جب کسی باغ کا لطف یا عیش کا سما
باندھا ھے تو اکثر برسات ھی کا موسم لیا ھے —

ایران ایک قدرتی بہشت ھے - وھاں جن چیزوں کی بہتات
ھے وھی اس کی انشاپردازی کا سامان ھے - گل ، بلبل ، سبزہ ،
شبنم ، برف ، اولے ، مرغزار ، آب رواں ، گلشن ، چمن ، درخت ،
جوانانِ چمن ، مرغانِ چمن ، نغمہ سنجانِ چمن ھیں وغیرہ وغیرہ -
ان ترکیبوں میں ھزاروں نازک اور لطیف خیالات ادا کرتے ھیں -
گلاب پھول میں جو زردی ھے اسے زرگل کہتے ھیں ؛ گُل اپنا
خزانہ لٹاتا ھے اور ھنستا ھے مگر غنچہ مٹھی بند کرکے اپنی
زرداری پر خوش ھوتا ھے اور مسکراتا ھے ؛ شبنم بے ثباتی پر
روتی ھے - جس طرح بلبل گل کی عاشق ھے قمری سرو کی شیدا
ھے - اس کا گیروا لباس ھے ، نغمے لالہ زار ھیں ، مگر سبزہ بیگانہ ھے -
زمزموں کی کثرت سے اس کا نام ھزار ، ھزار داستان ، ھزار
آواز رکھا ھے - بیسیوں صفتیں خوشنما و خوش آئندہ نکالی ھیں -
مرغ شب خواں ، خوش آھنگ ، آتش نوا وغیرہ وغیرہ ایک
ایک ترکیب سے کئی کئی مضمون شاعرانہ جداگانہ پیدا کئے
ھیں - کوہ ، صحرا ، مرغزار ، چشمے ، آب رواں کہ قدرت کے
عجائب خانے ھیں ، ان سے ھزار درھزار خیالات زبان میں پرواز
کرتے پھرتے ھیں —

اهل عرب نے کھجور سے ' انہوں نے شراب و انگور سے بلکہ اس کی تارگی، کہنگی ' مستی ' سیہ مستی' بدمستی' سر خوشی' خمار ' سر گرانی میں ' خندۂ جام ' گریۂ شیشہ ' قلقل مینا ' قہقۂ مینا وغیرہ ' رغیرہ ہے سرور کئے ہیں - انہی کی بہتات ہے کہ انشا پرداز کو اپنے رنگین مضمونوں اور استعاروں سے نکلنے نہیں دیتی - ایک گل کو دیکھو کتنی عمدہ عمدہ اصطلاحیں رنگی ہیں - گل کردن (ظاہر ہونا) ' گلگشت (گلزار میں پھرنا) ' گل زمین (قطعۂ زمین) ' گلک (طنز کی بات) ' وغیرہ سینکڑوں اصطلاحیں ہیں کہاں تک سنو گے - آب رواں کی کثرت اور زمین کی شادابی اور سر سبزی نے صدہا نہیں ہزاروں اصطلاحیں اور کنائے سر سبز کئے ہیں - فقط آب کی ترکیب سے جو سیراب اور خوشنما معنے پیدا ہوئے ہیں اگر لکھوں تو ایک رسالہ بنتا ہے - سبزے کی خوشنمائی نے اپنی فراوانی کے سبب سے مختلف ترکیبوں میں لہلہاتے معنے پیدا کئے ' مثلاً گنبد سبز ' پل سبز ' دریائے سبز (آسمان) ' سبز آخور (خوشحالی میں رہنے والا گھوڑا) ' سبزہ بخت (خوش نصیب) ' سبز کار سبز کو (جو اچھے کام کرے) ' آغا سبز کردۂ شما ہستیم (تمہارے پرورش کئے ہوئے ہیں ہم) ' سبز رنگ (سانولامعشوق) ' سبز تہ گلگوں ' ان کا تعریفی رنگ اور ایک راگ کا بھی نام ہے وغیرہ وغیرہ کیا کیا کہوں - اب تم عرب ' فارس اور ہند کی انشاپردازی کو پہلو بہ پہلو ترتیب دے کر دیکھو - ہر ملک کے محاورے اور اصطلاحیں تمہیں بتارہی ہیں کہ اس ملک کی کیا حالت ہے ' سر زمین کی کیا کیفیت ہے ' آب و ہوا کا

کیا عالم ہے، پیداواروں کی کیا صورت ہے اور لوگوں کی طبیعتوں پر اُس کا اثر کیا ہے جو زبانوں سے ظاہر ہوا ہے ــ

ارس طی دش

(ماخوذ از مشاہیر یونان و روما،

مترجمۂ مولوی سود هاشمی صاحب)

ارسطی دش ابن لسی ماجس قبیلۂ انطیا کیس سے ہے اور قصبۂ الوپک میں پیدا ہوا اور وہیں کا باشندہ تھا۔ اُس کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں وہ عمر بھر نہایت مفلسی میں بسر اوقات کرتا رہا اور مرنے کے بعد بھی دو بیٹیاں ایسی شکستہ حال چھوڑ گیا تھا کہ افلاس کی وجہ سے وہ مدتوں بے بیاہی رہیں۔ لیکن ڈمت ریس فلیری کا بیان اس روایت عام سے مختلف ہے اور وہ اپنی کتاب "سقراط" میں ذاتی علم کی بناء پر ارسطی دش کو ایک بڑے قطعۂ زمین کا مالک بتاتا ہے جو موضع فلیرم میں اُسی کے نام سے موسوم تھا اور جہاں اُس کی قبر تھی۔ اِس کے علاوہ ڈمت ریس نے اُس کی ثروت کے اور بھی کئی ثبوت پیش کئے ہیں مگر وہ کچھ زیادہ قوی نہیں ہیں ــ

ارس طی دش اُس کلیس تن کا دوست اور طرفدار تھا جس نے مطلق العنان جابروں کو نکالنے کے بعد حکومت کو درست

کیا تھا۔ اسے اسپارٹی مقنن لکرگس کا نظام ملک داری بہت پسند تھا۔ وہ اُصولاً حکومت امراء کا سب سے زیادہ حامی تھا۔ اس کے مقابلے میں جمہور کی حمایت ثمس طاکلیس نے لی تھی اور وہی اُس کا سب سے بڑا سیاسی حریف تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی طبیعتوں کا فرق اوایل عمر میں ہی ظاہر ہو گیا تھا۔ بچپن سے وہ ایک ہی جگہہ رہے سہے اور ایک ہی مکتب میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی؛ مگر اس وقت بھی قول و فعل اور کھیل کود میں وہ ایک دوسرے کی ضد اور حریف تھے۔ طاکلیس نہایت تیز، چالاک اور ہر بات میں دخیل تھا۔ ارسطی دش بہت متین، پختہ مزاج راست باز اور ایسا انصاف پسند کہ کھیل کود میں بھی جھوٹ فریب یا بدتمیزی اُسے گوارا نہوتی تھی —

ملکی جد و جہد میں ثمس طاکلیس نے اپنی قوت ایک جتھے میں مل کر بہت بڑھالی تھی اور اس فرقے بندی میں اسے اتنا غلو تھا کہ جب کسی نے اس سے کہا کہ "اگر تم میں یہ طرفداری اور رو رعایت نہ ہوتی تو ایک اچھے حاکم ہوتے" تو اس نے جواب دیا "کاش میں کبھی ایسی عدالت میں رکن بن کر نہ بیٹھوں جہاں میرے احباب کو اجانب سے زیادہ رعایت کی امید نہ ہو!" اس کے برعکس ارسطی دش نے کسی جماعت یا گروہ کا سہارا نہیں لیا۔ اسے ہرگز پسند نہ تھا کہ اپنے دوستوں کا جا و بیجا ساتھ دے اور اپنے گروہ کے اغراض پر شرافت و انصاف کو قربان کردے۔ اِس کی راہ سیاست سب سے الگ تھی اور صرف حق اور دیانت اس کی رہبر تھی —

ملکی معاملات میں ارسطی دش نے جس استقلال سے کام لیا وہ قابل تحسین ہے - اُس کا عقیدہ تھا کہ یہ خدمت گذاری ایک فریضۂ انسانی ہے جو بغیر کسی لالچ یا غرض کے انجام دینی چاہئیے - چنانچہ عمر بھر وہ اسی اصول پر کار بند رہا اور نہ غرور دولت و اعزاز اس راستے سے اس کو منحرف کرسکا اور نہ کبھی تہی دستی اور نا قدریء زما نہ سے اس کی قوم پرستی میں کوئی کمی آئی - وہ آخر تک ویسا ہی خالص محب وطن اور راستباز شہری رہا جیسا کہ ابتدا میں تھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جب ایک دفعہ تھیٹر میں مندرجۂ ذیل اشعار پڑھے گئے جو اسکای لوس نے امفیاروس کے متعلق لکھے ہیں تو تمام تماشائیوں کی نگاہیں ارسطی دش کی طرف پھر گئیں' گویا وہ صفت جس کی شاعر نے مدح کی ہے خاص ارسطی دش کا حصہ تھی --

اشعار یہ ہیں :

عادل فقط آئے نظر' کچھ اس کی یہ چاہت نہ تھی
بلکہ یہ کوشش کہ وہ ایسا رہے فی الاصل بھی
اور اک زمین سیر تھی گویا کہ وہ طبع رسا
جس میں صلاح نیک کی اُگتی رہیں فصلیں سدا

حقیقت میں ارسطی دش جادۂ عدل پر ایسی مضبوطی سے قایم تھا کہ دوستی اور طرفداری یا ذاتی عداوت اور غصہ کوئی شے اُسے کبھی بھی صراط مستقیم سے نہ ہٹا سکی۔ ایک موقع پر لکھا ہے کہ وہ چند ارکان عدالت کے ساتھ کسی ایسے شخص کی سماعت مقدمہ کر رہا تھا جو اس کا ذاتی دشمن اور

بد خواہ تھا - استغاثے کی کارروائی ختم ہوتے ہی عدالت نے فیصلہ سنانے کا ارادہ کیا اور ملزم کی صفائی سننے سے انکار کر دیا - اس وقت ارس طی دش مضطر بانہ اپنی جائے سے اٹھا اور ملزم کے ہم آہنگ ہو کر درخواست کی کہ بے شک اسے اپنا قانونی حق ملنا چاہئیے اور اجازت دینی چاہئیے کہ جو کچھہ کہنا ہے کہے ! —

اسی طرح ایک مرتبہ وہ دو شخصوں کے باہمی نزاع کا فیصلہ کر رہا تھا - اثنائے تحقیقات میں ایک شخص نے فریق ثانی کے متعلق یاد دلایا کہ وہ ارس طی دش کا دشمن ہے اور اسے بھی نقصان پہنچا چکا ہے - یہ سنکر ارس طی دش کہنے لگا " عزیز من ' اس وقت تو تم وہ نقصان بتاؤ جو تمہیں پہنچا ہے کیونکہ یہ میرا مقدمہ نہیں ہے بلکہ تمہارا معاملہ ہے جس کی میں سماعت کرنے بیٹھا ہوں " —

بعد میں جب وہ سرکاری خزانچی منتخب ہوا تو اپنی دیانت اور نگرانی سے اس نے ثابت کر دیا کہ یہ رقم نہ صرف اس کے زمانہ میں لوگوں نے خرد برد کی ہے بلکہ اس کے پیش رو بھی بہت کچھہ تصرف و تغلب کر چکے ہیں' خاص کر تھمس طاکلیس جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ :

گو اپنے اور اوصاف میں وہ شہرۂ آفاق تھا
پر ہاتھہ کی چالاکیوں میں بھی بہت مشاق تھا

اس بد نامی پر خار کھا کر تھمس طاکلیس نے چند آدمیوں کو اپنے سے ملا لیا اور جب وہ حسابات دینے کھڑا ہوا تو اس پر خیانت کا الزام لگایا اور ایسا لوگوں کو مشتعل کیا کہ

انھوں نے ارسطی‌دش کو مجرم قرار دے دیا لیکن شہر کے
مقتدر اشخاص اس فیصلے سے سخت ناراض ہوئے اور انھوں نے
نہ صرف وہ جرمانہ معاف کرایا جو اس پر خواہ مخواہ کیا گیا
تھا ، بلکہ عہدہ مذکور پر دوبارہ اسی کا تقرر کردیا - مگر اس
مرتبہ وہ جان بوجھہ کر بھولا بن گیا اور اس طرح کہ گویا وہ
اپنے پہلے کئے پر پشیمان ہے ، اس نے آئندہ سے تغافل اختیار کیا
اور ان لوگوں کی جانچ پرتال بھی کرنی چھوڑ دی جو غلط
حسابات بنا لاتے تھے اور خزانے سے بڑی بڑی رقمیں وصول
کر لیا کرتے تھے - اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو لوگ پہلے اس کے
خلاف تھے وہ اب اس کے بڑے مداح اور طرفدار بن گئے اور
جب اس کی میعاد عہدہ ختم ہوئی تو انھیں نے اہل شہر سے
التجا کی کہ اس کو پھر اسی خدمت پر بحال رکھا جائے -
ارسطی دش یہ کارروائیاں خاموشی سے دیکھتا رہا لیکن جس
وقت لوگ اسے دوبارہ منتخب کرنے لگے تو اس نے جلسۂ عام
میں اہل ایتھنز کی خبر لی اور کہنے لگا کہ " جب میں نے اپنے
فرائض منصبی راست بازی اور خوبی کے ساتھہ انجام دیے تو
ہر طرف سے مجھہ پر لعنت ملامت ہوئی اور میری اہانت کی
گئی ، لیکن جب اس مرتبہ میں نے ان لٹیرے عہدہ داروں کو
آزادی دیدی کہ جو چاہیں کریں ، تو میں سب سے بڑا محب
وطن بن گیا - اسی وجہ سے در حقیقت میں اپنی بے آبروئی سے
اتنا شرمندہ نہیں ہوں جتنا اس تعریف و تحسین سے - اور
مجھے تم لوگوں کے حال پر رحم آتا ہے کہ بیت المال کے محفوظ
رکھنے کی نسبت ان عیاروں کا نوازنا تمھیں زیادہ پسند ہے " -

یہ کہہ کر اس نے وہ چوریاں کھولنی شروع کیں جو اس مرتبہ ہوئی تھیں اور ان لوگوں کا منہہ بند کر دیا جنھوں نے تھوڑی دیر پہلے اس کی تعریف کے پل باندھ دیے تھے اور اس کے دوبارہ انتخاب پر بڑھ بڑھ کر بول رہے تھے۔ البتہ جتنے انصاف پسند تھے وہ خوش ہوے اور اس کو حقیقی داد ملی ـــ

اس کے بعد دارائے عجم نے شہر سارڈیس * کا جسے ایتھنزیوں نے جلا دیا تھا بدلا لینے کے بہانے یونان پر چڑھائی کی اور سارے ملک کو اپنے قبضہ میں لانا چاہا۔اس غرض سے اس کا سپہ سالار ڈے ٹیس فوج سے میرا تھان (میراتھن) تک آ پہنچا اور گرد و نواح کے تمام علاقے کو برباد کردیا (میراتھان ایتھنز کے شمال میں بیس پچیس میل کے فاصلے پر واقع تھا) - اس کے مقابلے کے لئے اہل ایتھنز نے جن دس سپہ سالاروں کو منتخب کیا ان میں سب سے نامور مل تیا دیس تھا - لیکن اس کے بعد ارس طی دش کا جتنا اثر تھا کسی کا نہ تھا اور جب اس نے بھی مل تیادیس کی تائید کی کہ لڑائی لڑنی چاہئے تو رائے کا پلہ اسی طرف جھک گیا۔ پھر جب ہر سردار باری باری سے ایک دن سپہ سالاری کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا دن بخوشی مل تیادیس کو دے دیا، جس سے اپنے ساتھیوں کو یہ سبق دینا منظور تھا کہ آدمی کا

* مغربی ایشیائے کوچک کی قدیم سلطنت لڈیہ (لود) کا مشہور شہر تھا - سارتس، سردس اور آج کل سرت بھی اس کا تلفظ کرتے ہیں ـــ

اپنے سے زیادہ قابل اور دانشمند کی پیروی یا اطاعت کرنا
بے عزتی نہیں بلکہ بڑی عالی ظرفی اور خوبی کی بات
ہے - چنانچہ اُس کے اِس ایثار کا خاطر خواہ فائدہ ہوا - ان کی
باہمی رقابت مٹ گئی اور ہر ایک نے اپنا سپہ سالاری کا
دن مل‌تیا دیس کو دے دیا اور اب وہی پوری مستعدی اور
قوت کے ساتھہ بلا شرکت سپہ سالاری کے فرائض انجام دینے لگا -
جس وقت لڑائی شروع ہوئی تو جنگ کا سارا بوجھہ قلب
لشکر پر پڑا اور اسی مقام پر ایرانیوں نے جم کر دیر تک
مقابلہ کیا - ارس طی دش اور تھمس طاکلیس بھی اپنے اپنے
قبیلوں کے ساتھہ یہاں موجود تھے اور بڑی شجاعت کے
ساتھہ لڑے ؛ حتی کہ دشمن کو ہزیمت ہوئی اور وہ ہٹ
کر جہازوں میں پناہ گزیں ہوئے اور لنگر اُٹھا کے وہاں سے
بھی بھاگے - لیکن یہ دیکھہ کرکہ واپس جزائر کی طرف جانے کی
بجائے ان کے جہاز سمندر کی مخالف موج اور ہوا کے زور سے
اِٹی کا (علاقۂ ایتھنز) کی جانب بہے جاتے ہیں ' ایتھنزی فوج
کو خوف ہوا کہ مبادا وہ خاص ایتھنز میں جا اُتریں اور
غیر محفوظ پاکر اس پر قبضہ کرلیں - لہذا نو دستے فوج کے
ایتھنز کی طرف بہ عجلت روانہ ہوئے اور اسی دن وہاں
جا پہنچے - میرا تھان میں صرف ارس طی دش اور اس کا قبیلہ
مال غنیمت اور اسیران جنگ کے حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا
تھا - اور جیسی کہ اُس سے توقع تھی اُس نے یہ فرض کمال
دیانت و امانت کے ساتھہ انجام دیا - غنیم نے بے حد و حساب
زر و جواہر ' قیمتی اسباب اپنے خیموں میں چھوڑا تھا '

ارس طی دش نے اُن کو بجنسہ پڑا رہنے دیا اور نہ خود ہاتھہ لگانے کی ضرورت سمجھی اور نہ کسی اور کو ہاتھہ لگانے دیا - البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کی بے اطلاع کسی نے کچھہ لے لیا ہو جیسا کہ کے لیس مشعل بردار نے کیا - اُس کا قصہ یوں ہے کہ ایک ایرانی نے کےلیس کو قصابہ سر پر باندھے دیکھہ کر کوئی بادشاہ یا حاکم سمجھا اور پہلے اُس کے سامنے گر کر سجدہ کیا پھر ہاتھہ پکڑ کر اُسے ایک جگہ لایا جہاں نالی میں اُس نے بہت سا سونا گاڑ دیا تھا - مگر کے لیس ایسا قسی القلب کافر تھا کہ مال پر بھی قبضہ کر لیا اور اس شخص کو بھی مار ڈالا کہ شاید کسی اور سے وہ اس امر کا تذکرہ کردے - یہی وجہ ہے کہ مکاتب نویس اس کے خاندان کو لک کوپلاوٹی کے نام سے پکارتے ہیں جس کے معنی "نالی سے دولت یافتہ" کے ہیں —

ارس طی دش کی جس خوبی نے جمہور کو سب سے زیادہ گرویدہ کیا، وہ اس کی انصاف پسندی تھی کہ اس سے روز مرہ اور بار بار سابقہ پڑتا ہے اور یہی وصف ہے جس کی بنا پر اسے ایک نادر اور کم نسب آدمی ہونے کے باوجود عادل کا لقب ملا جو خدا کی اعلیٰ ترین صفت اور بڑے سے بڑے بادشاہوں کے لئے بھی موجب فخر و ناز ہے - اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یا مطلق العنان جابر یہ لقب پانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے بلکہ انہیں زیادہ خوشی اپنے ناموں کے ساتھہ ایسے ایسے القاب شامل کرنے کی ہوتی ہے جیسے کشور کشا و فاتح یا صاعقۂ جہاں سوز اور اس سے آگے بھی بڑھو تو عقاب و شہباز وغیرہ، جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ کسی نیکی سے مشہور ہونا انہیں اتنا پسند نہیں جتنا زور و قوت، جبر و قہر میں ناموری حاصل کرنا پسند ہے - حالانکہ وہ بادشاہ علی الاطلاق جن سے یہ کسب فیض کرنا اور اپنے تئیں ملانا چاہتے ہیں تین صفات خاص میں کہیں برتر و بالا ہے - جن سے بقاے دوام، قوت کاملہ اور خیر محض مراد ہیں - ان میں بھی سب سے اعلیٰ تر اور سب سے مبارک خیر کی صفت ہے کیونکہ ہر چند عناصر اور خلا کا وجود ابدی ہے اور زلزلے اور طوفان اور برق و رعد قوت میں کسی سے کم نہیں، با ایں ہمہ عدل و انصاف صرف ربانی عقل و علم کی صفات ہیں —

القصہ یہی وہ لقب ہے جس کی بدولت ارس طی دش ابتدا میں محبوب عام و خاص اور آخر میں محسود خلایق بنا۔ پچھلی فتح سے لوگوں کے دماغ بھی آسمان پر تھے اور وہ بالطبع اُن سب سے جلنے لگے تھے جو عام سطح سے بلند اور زیادہ نامور نظر آتے تھے - یہی وجہ تھی کہ وہ ہر طرف سے آ آکر شہر میں اکٹھے ہوے اور فتواے عام (یعنی آسٹرسزم) کے ذریعے ارس طی دش کو جلا وطن کردیا۔ در حقیقت یہ سزا بھی کسی مجرمانہ فعل کے لئے نہیں وضع کی گئی تھی بلکہ اس کی غرض ہی نامور اور صاحب قوت لوگوں کو گرانا اور ذلیل کرنا تھی، تاکہ حاسدوں کی بھڑاس نکل جائے اور وہ زیادہ نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہوں بلکہ صرف دس سال کی جلا وطنی سے اپنا دل ٹھنڈا کرلیں - چنانچہ آخر میں جب یہی سزا شریر اور بد ذات اشخاص کے واسطے کی جانے لگی تو

عوام الناس بہت ناخوش ہوے اور انھوں نے سرے سے اس سزا ہی کو اُڑا دیا —

اس موقع پر مختصر طور پر یہ لکھنا مناسب ہے کہ یہ فتواے عام کس طریق سے دیا جاتا تھا -

سب سے اول ہر ایک شخص ایک ایک استراکان یعنی ٹھیکری لے کر اُس شخص کا نام لکھہ دیتا جسے وہ جلا وطن کرانا چاہتا - پھر منڈی میں ایک خاص مقام پر جس کے چاروں طرف لکڑی کا کٹھہرا لگا ہوا تھا' یہ ٹھیکری لیجاتا تھا اور یہاں ان تمام ٹھیکریوں کی گنتی ہوتی تھی (کیونکہ اگر وہ کل تعداد میں چھہ ہزار سے کم ہوتیں تو فتویٰ بے اثر مانا جاتا تھا) - اس کے بعد ہر نام کے خلاف جتنی رائیں ہوتیں انھیں علیحدہ علیحدہ شمار کیا جاتا اور جو سب سے زیادہ رائیں پاتا وہ دس سال کے واسطے وطن سے نکال دیا جاتا' اگرچہ اس کے شہری حقوق اور ذاتی املاک برقرار رہنے دیے جاتے تھے - اس قسم کا ہوتا تھا وہ فتواے عام جس کی بدولت ارسطی دش کو وطن سے نکلنا پڑا - اس کے متعلق یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ جب لوگ ٹھیکریوں پر نام لکھہ رہے تھے تو ایک اَن پڑہ گنوار نے اپنی ٹھیکری خود ارسطی دش کو (یہ سمجھہ کر کہ وہ کوئی معمولی شہری ہے) دیا اور درخواست کی کہ اس پر ارسطی دش کا نام لکھہ دے! اور جب اس نے نہایت متحیر ہوکے دریافت کیا کہ تمھیں اس سے ایسا کیا ضرر پہنچا ہے جو اسے جلا وطن کرانے کے درپے ہو' تو جواب ملا کہ "نہیں مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا نہ میں اس

کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہے لیکن اسے ہر جگہ عادل سن کر میرا جی اُکتا گیا ہے!"۔

کہتے ہیں یہ سن کر ارس‌طی‌دش چپ ہوگیا اور ٹھیکری پر اپنا نام لکھ کر شخص مذکور کے حوالے کردیا - اس کے بعد جب وہ شہر سے نکلنے لگا تو اُس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور دعا کی (جو اکی‌لیز کی بد دعا سے بالکل مختلف نظر آتی ہے) کہ اے خدا کبھی اہل ایتھنز پر ایسا وقت نہ آئے کہ وہ مجبور ہوکر ارس‌طی‌دش کو یاد کریں! ۔

اس کے بعد جب ایرانیوں نے یونان پر حملہ کیا تو ارس‌طی‌دش اور سب جلا وطنوں کو واپس بلا لیا گیا، اس لڑائی میں بھی ارس‌طی‌دش نے بڑے بڑے جوانمردی کے کام کئے۔ آخر جب ایرانیوں کی بلا ملک سے دفع ہوئی تو ارس‌طی‌دش کی کوشش اور لیاقت سے ایتھنز کی حکومت یونان کے بہت سے شہروں میں قائم ہوگئی۔ مگر وہ خود ویسا ہی مفلس رہا اور اس افلاس پر اپنی اور فتوحات کی طرح ہمیشہ ناز کرتا تھا جس کا ذیل کی روایت سے بخوبی ثبوت ملتا ہے :-

کےلیس مشعل بردار ارس‌طی‌دش کا رشتہ دار تھا۔ اُس کے دشمنوں نے ایک مرتبہ کوئی سنگین مقدمہ اس کے خلاف اُٹھایا اور دیگر معاملات پر مختصر بحث کرنے کے بعد، عدالت پر اثر ڈالنے کے لئے ایک تقریر اصل الزام کے علاوہ بھی کی اور ارکان عدالت سے کہنے لگے "آپ سب صاحب لسی ماچس کے بیٹے ارس‌طی‌دش سے واقف ہیں، جو تمام یونان کا ممدوح

و محبوب ھے - آپ اسے باھر ایسے پرانے اور جھر جھرے کوٹ
میں دیکھتے ھیں تو بھلا آپ کے نزدیک اُس کی اور اُس کے
اھل و عیال کی گھر کے اندر کیا حالت ھوگی؟ کیا یہ یقینی
بات نہیں ھے کہ وہ جو گھر کے باھر اس طرح سردی کھانے پر
مجبور نظر آتا ھے، گھر میں ضروریات زندگی تک کا محتاج
ھوگا؟ اب یہ شخص کےلیس جو ایتھنز میں سب سے مالدار
اور ارسطی‌دش کا چچا زاد بھائی ھے، باوجودیکہ سو طرح
کے فائدے اُس کے ملکی اقتدار سے اُٹھاتا ھے، لیکن کیا ممکن
جو اُس کی کوئی مدد کرے اور اس شکستہ حالی میں اس کے
بال بچوں کے کبھی کام آئے——" اس تقریر کا بڑا اثر ھوا
اور جب کےلیس نے دیکھا کہ یہ الزام سن کر عدالت سخت بیزار
ھوگئی ھے اور میرے خلاف کارروائی کرنے پر تلی ھوئی ھے
تو اس نے ارسطی‌دش کو عدالت میں طلب کرایا کہ خود
وہ تصدیق کرے کہ کس طرح کےلیس نے بارھا اس کی امداد
کرنی چاھی اور مختلف ھدیے قبول کرنے کی التجا کی مگر
اس نے ھمیشہ انکار کیا اور یہی جواب دیا کہ "کےلیس تمھیں
اپنی دولت پر نازاں ھونا اس قدر زیبا نہ ھوگا جتنا کہ
مجھے اپنے افلاس پر - کیونکہ ایسے دولت مند تو بہت
مل جائیں گے جو کم و بیش اپنے روپئے کا اچھا استعمال کرتے
ھیں، لیکن ایسے مفلس شاید کم ھیں جو اپنی تہی دستی
کو شریفانہ استقلال کے ساتھہ برداشت کرتے ھوں - باقی مفلسی
کی اگر شرم ھو تو اُنھیں ھو جنھیں وہ بار معلوم ھوتی ھے!"
جب کےلیس نے یہ باتیں دھرائیں اور ارسطی‌دش نے اس
کی شہادت دی تو سامعین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا

جو عدالت سے اٹھتے وقت کے لیس جیسا دولت مند ہونے کی بجائے ارس طی دھ جیسا مفلس نہ بننا چاھتا ہو! ۔

یہ ہے وہ روایت جو حکیم سقراط کے شاگرد اس کائی نوس نے لکھی ہے ۔ اور افلاطون کا قول ہے کہ ایتھنز کے تمام مشاھیر میں اگر فی الحقیقت کوئی شخص کامیاب مدبر ہے تو وہ ارس طی دھ ہے۔ کیونکہ ثمس طاکلیس، کائمن اور پری کلیس نے شہر کو عمارات اور مال و دولت اور طفلانہ سامان، عیش و آرائش سے معمور کیا تھا ۔ لیکن وہ جس نے صرف عدل کو اپنا مسلک عمل بنایا ارس طی دھ تھا اور اس کی شرافت و انسانیت کا حال اس طرز عمل سے بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے جو ثمس طاکلیس کے معاملے میں اُس نے اختیار کیا تھا ۔ طاکلیس اُس کے تمام کاموں میں در اندازی کرتا رہا اور آخر میں اس کی جلا وطنی کا بھی وھی باعث ہوا ۔ مگر جس وقت اُس سے بدلا نکالنے کا موقع آیا اور اہل شہر نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کیا تو ارس طی دھ نے اُس کی مطلق مخالفت نہ کی اور دکھا دیا کہ وہ اپنے حریف سے جس طرح اس کی ثروت و اقتدار کے زمانے میں حسد نہ کرتا تھا اُسی طرح اب اس کی مصیبتوں پر بھی کوئی اظہار فتح و شادمانی کرنا نہیں چاھتا ۔

بعض کا قول ہے کہ ارس طی دھ نے کسی سرکاری کام کے لئے پونٹس (بحیرۂ اسود) کا سفر کیا تھا اور وھیں وفات پائی ۔ ایک دوسرے بیان کے بموجب وہ ایتھنز ھی میں عمر طبعی کو پہنچ کر مرا اور آخر وقت تک اپنے ہم وطنوں میں محبوب و محترم رہا ۔

مروجہ تعلیم

از

(جناب شمس العلما مولانا نذیر احمد دهلوی مرحوم)

اگر تعلیم کو هم ایک مقدمہ فرض کریں تو اُس کی رو داد ایسی سلیس اور صاف ہے کہ جو فیصلہ اس پر صادر کیا جاے مختلف فیہ ہو نہیں سکتا - هم کو چاهئیے کہ پہلے اهل یورپ کے ساتھہ اپنی حالت کا موازنہ کریں - هم دیکھتے هیں کہ جو سامان مبدء فیاض نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی آسائش کے لئے مہیا کئے هیں هم کو اُن میں سے بہت بڑا حصہ ملا ہے - هماري جیسی سر زمین' هماری جیسی آب و هوا' همارے جیسے موسم' هماری جیسی پیداوار' غلے ' میوے' درخت' پھول' پھل' همارے جیسے حیوانات' همارے جیسے معادن' کوئی چیز بھی تو اهل یورپ کو نصیب نہیں - اس رو سے چاهئیے تھا کہ هم خوش حال هوتے اور اهل یورپ تنگدست - هم محتاج الیہ هوں اور اهل یورپ محتاج - لیکن معاملہ منعکس ہے - سلطنت کو بھاڑ میں ڈالو اور اس کمبخت کا

فام نہ لو - یوں دیکھو کہ ہندوستان اور یورپ میں باہمی
لین دین کا کیا رنگ ہے - وہ رنگ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہے
نہ زندہ نہ مردہ بلکہ سسکتا ہوا نیم جان، ضعیف و ناتوان،
اُس بیچارے کو اس کثرت سے جونکیں لپٹی ہوئی اُس کا
خون پی رہی ہیں کہ کوئی مسام جونک کے منہ سے خالی نہیں؛
اور جونکیں بھی کاغذی نہیں بلکہ بڑی قسم کی جو بھینسیا
جونک کہلاتی ہیں - آپ سمجھے کہ میری اس تمثیل سے کیا
مراد ہے ؟ وہ نیم جان آدمی ہندوستان ہے، خون ملکی دولت
اور جونکیں اہل یورپ - یہ سمجھنا ایک نادان بلکہ بے ایمان
آدمی کا کام ہے کہ انگریز بزور حکومت ہماری دولت گھسیٹے
لئے چلے جاتے ہیں، ذرا تجارت اور مال کی درآمد بر آمد کی
رپورٹیں پڑھو اور فنانشیل سکریٹریت سے سالانہ بجٹ (تخمینہ
جمع و خرچ) کے نقشے لے کر دیکھو تو معلوم ہو کہ سلطنت
کی راہ دولت رس رہی تو تجارت کی طرف بند ٹوٹا
ہوا ہے - ہماری اور اہل یورپ کی تجارت کا خلاصہ یہ ہے
کہ ہم خریدنے والے ہیں اور اہل یورپ بیچنے والے - بے شک
ہندوستان سے بہت سا مال یورپ کو چلاجاتا ہے مگر تیار
کیا کرایا نہیں بلکہ جیسا پیدا ہوا جوں کا توں یورپ
چلا گیا - اہل یورپ نے اپنی ہنر مندی سے بنایا سنوارا
اور اضعافاً مضاعفہ نفع پر پھر اُلٹا ہمارے سر مارا۔
اہل یورپ نے ساری تجارت کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے،
جیسے شیر کہ اُس نے شکار مارا اور گودا اور خون
جو جو چیزیں عمدہ اور مزے کی تھیں آپ کھائیں پئیں

خالی ھتیاں لومڑی کے لئے چھوڑ دیں کہ لے ان کو پڑی جھنجھوڑا کر - دلی میں اس وقت غلہ کی بڑی بھاری منڈی کھاری باولی ہے - بندہ کا غریب خانہ اسی منڈی کے متصل ہے - صبح ہوئی دن چڑھتے چڑھتے رالی براڈرس* کے گماشتے بازار میں آ بھرے - اس بازار میں اکثر اوقات اس طرح کی چہل پہل رہتی ہے کہ راستہ نہیں ملتا - ہجوم کرنے والوں میں وہ محتاج لوگ بھی ہوتے ہیں جو چھاج اور جھاڑو لئے ہوے گرے پڑے دانے دنکے سمیٹتے پڑے پھرتے ہیں - میں جب ان مصیبت مندوں کو دیکھتا ہوں بے اختیار جی میں خیال کرتا ہوں کہ ہزارہا من غلہ پڑا تل رہا ہے مگر ان کی قسمت کے دانے ہیں - اسی طرح یورپ کی تجارت میں ہر روز کروڑوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں؛ ہمارے حصہ میں کیا آتا ہے ؟ - کوڑیاں یا خوب گھرے ہوگئے تو پیسے - یورپ کی حقیقی اور اصلی عظمت، اصلی اور حقیقی ہنر مندی، اصلی اور حقیقی دولت کا اندازہ بے یورپ گئے نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا - وہ صدھا ہزارھا انواع و اقسام کے کارخانے، وہ صدھا اور ہزارھا انواع و اقسام کی کلیں، وہ صدھا اور ہزارھا عالیشان عمارتیں، پل، تنل (سرنگ)، زیر زمین ریلوے، بندرگاہ، جہاز، بازار، ایوان، تفریح گاہیں، باغ، عجائب خانے، گرجا گھر اور کیا اور کیا کیونکر ہندوستان میں اُٹھ کر آجائیں کہ ہم اُن کو دیکھیں - مگر جس قدر یہاں ہماری

---

* انگلستان کی ایک بڑی تجارتی کمپنی کا نام ہے -

آنکھوں کے سامنے موجود ہے اس سے اتنا تو کوئی مغزسے کوئی مغز
اور متعصب سے متعصب کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم
کسی دنیاوی برتری میں انگریزوں کے ساتھہ لگا نہیں کھاسکتے۔
اچھا اب دوسری بات ہم کو یہ دیکھنی ہے کہ انگریزوں میں
یہ ہنر مندی، یہ صناعی، یہ قوت ایجاد آئی تو کہاں سے آئی
اور کیونکر آئی - میں سمجھتا ہوں کہ انگریزوں کے سارے
کمالات اس ایک صفت پر مستفرع ہیں کہ سب کے سب بڑی
سرگرمی کے ساتھہ واقعات نفس الامری کی ٹوہ میں لگے رہتے
ہیں - یعنی ان کی طبائع میں قوت استقرا یعنی جزئیات سے
کلیہ قاعدہ بنا لینے کی قوت بہ نسبت اوروں کے غالب ہے اور
ہو نہ ہو مقامی حالات نے ان کے حواس کو تیز کیا ہوگا، ضرورت
ایجاد کی ماں ہے، ان کی سر زمین ضروریات زندگانی کے مہیا
کرنے کے قابل نہ پہلے تھی اور نہ جیسی چاہئے اب ہے، آئندہ
کسی تدبیر سے ضروریات زندگانی کیسی اگر خود شجرۃالحیاۃ
(درخت زندگی) ہی اس سر زمین میں پیدا ہونے لگے تو
عجب نہیں - کارخانۂ دنیا کا انتظام اسی قاعدہ پر مبنی ہےکہ
مخلوقات میں جس قدر جس کی ضرورتیں اسی قدر کاہل اور
ضعیف العقل - اگر انسان گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھر لیا کرتا
اور گرمی سردی برسات سے متأزی نہ ہوتا تو ایک گدھے جتنی
عقل اس کو کفایت کرتی اور اتنی ہی اس کو ملتی بھی -
مگر نیچر (فطرت) نے ایک طرف انسان کو ساز و سامان زندگی
کے عطا کرنے میں مضائقہ کیا تو دوسری طرف عقل سے اس
کی تلافی کردی - اگر یہ استدلال صحیح ہے تو ایشیا تک

قومیں خلقتاً اہل یورپ کے مقابلے میں کاہل اور کم عقل ہیں۔ میں شاید اپنے بیان کے قصور کی وجہ سے اپنا مافی الضمیر اچھی طرح آپ صاحبوں کے ذہن نشین نہیں کرسکتا۔ میرا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ اگر آپ قوم کو ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے ایک قوم کی حالت درست ہو جیسی کہ اہل یورپ کی ہوئی تو یہ شکل آپ کی نصب العین (آنکھ کے سامنے) رہنی چاہئے کہ میری سمجھ کے مطابق قوم کی طبیعت میں اس کا تقاضہ مضمر نہیں یا اگر ہے تو اس قدر ضعیف ہے کہ اس کو قوی کرنا ویساہی دشوار ہے جیسا کہ نئے تقاضے کا طبیعت میں پیدا کرنا۔ تعلیم مروجہ سے چاہے وہ سرکاری کالجوں کی ہو یا علیگڈہ محمڈن کالج کی، مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شکل کو اس دقت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ علیگڈہ محمڈن کالج کو سرکاری کالجوں پر کچھ مزیت ہے، بورڈروں کا بڑا اہتمام ہے، مسلمانوں کی تالیف قلوب کی بھی کچھ رعایت کی گئی ہے۔ مگر ان باتوں کو نفس تعلیم میں جس پر میں بحث کر رہا ہوں کچھ مدخل نہیں۔ جہاں تک مجھ کو علم ہے علیگڈہ محمڈن کالج کی جماعتوں کا معیار اور سرکاری کالج کا معیار نہ صرف یکساں ہے بلکہ متحد ہے۔ پس تعلیم مروجہ تمام برٹش انڈیا میں قریب قریب ایک ہی طرز کی ہے۔ اس طرز پر جتنے لوگوں نے آج تک تعلیم پائی ہے ان کا مجموعی شمار بھی کچھ ایساکم نہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ملک کی حالت پر خود

تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں پر اس تعلیم کا کیا اثر مفید مترتب ہوا - ایک کا جواب ہے نہیں، دوسرے کا کچھ نہیں- برٹش انڈیا ماشاءاللہ اتنا بڑا وسیع اور آباد ملک اور مدتوں سے تعلیم کا چرچہ، لیکن کوئی صاحب مہربانی فرما کر بتا دیں کہ شروع سے لیکر آج تک کسی پاس شدہ طالب علم نے کسی قسم کی کوئی کل نکالی ؟ کسی چیز کی کوئی کان دریافت کی ؟ فلاحت کے پرانے دقیانوسی دستوروں سے کسی دستور کو بدلا ؟ حیوانات میں سے کسی حیوان کی فسل کو درست کیا ؟ اپنے بھائی بندوں میں خانہ داری میں کفایت شعاری پھیلائی ؟ لوگوں سے حفظان صحت کے قاعدے کی تکمیل کرائی ؟ تجربہ و استقراء کر کے موالید ثلاثہ میں سے کسی ایک چیز کا نیا خاصہ تحقیق کیا ؟ کوئی سی دو چیزوں میں علاقۂ علت و معلولیت ثابت کر دکھایا ؟ یہ نہ سہی اپنی ایجوکیشن (تعلیم) سے کسی اور طور پر پبلک کو نفع پہنچایا ہو تو بتاؤ ؟ از برائے خدا بتاؤ کہ میرا بھی جی خوش ہوجائے - پبلک کو نفع پہنچانا تو در کنار ابھی سے لوگوں نے جھینکنا شروع کر دیا ہے اور ابھی جھیکیں گے کہ تعلیم مروجہ سے خود پڑھنے والوں کی کار برآری نہیں ہوتی اور واقع میں یہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ اونچی دوکان پھیکا پکوان، سرکاری نوکری کے علاوہ اور ہیں بھی کس مصرف کے - اور اگر ان کو نوکری نہ ملی اور نہ ملنے کے احتمالات زیادہ اور قوی تر ہیں تو یہ بیچارے مصیبت کے مارے روٹیوں کو محتاج، معاش سے تنگ، مرتا کیا نہ کرتا، عذاب ہوں گے اپنے حق میں،

اپنے خاندان کے حق میں ' سوسائٹی کے حق میں ' گورنمنٹ کے حق میں —

اب میں اپنے خیال کے مطابق یہ بات دکھانی چاھتا ھوں کہ تعلیم مروجہ میں کس چیز کی کسر ھے - اس میں اتنی ھی کسر ھے کہ ادھوری اور نا تمام ھے۔میں اس وقت کے تعلیم یافتوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ھوں - ان کو ھر طرح کی تحسین و توقیر کا مستحق جانتا ھوں اور ھر چند ساری عمر میں نے بھی یہی پا پڑ بیلے ھیں مگر میں صاف دل سے ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ھوں ۔ میری طالب علمی کے زمانے میں تو بی۔اے اور ایم ۔ اے کے کچھ بکھیڑے تھے نہیں اور خدا نے مجھکو اس دردسری سے بچا یا ھے کہ اپنے نام کے ساتھ کسی خطاب کا دم چھلا لگاؤں ' مگر میں اس کا معترف ھوں کہ اگر مجھ سے ایسے کڑے کڑے امتحان لئے گئے ھوتے تو میں ضرور ناکامیاب ھوتا - ھاں تو غرض یہ ھے کہ مجھکو تعلیم مروجہ کے نقصان دکھانے منظور ھیں' تعلیم یافتوں کی اھانت مقصود نہیں - تو کوئی تعلیم یافتہ اس سے برا نہ مانے کہ میں تو آج کل کے بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ کو بھی اس مثل کا مصداق سمجھتا ھوں کہ " جیک آف آل ماسٹر آف نن " (سب کچھ جانتے ھیں اور کچھ نہیں جانتے) - انسان کے دل کا حال بھی قریب اس کے معدے کا سا ھے ۔ اگر کوئی شخص اوپر تلے الاپ شناپ کھانا ٹھو نستا چلا جائے تو نہ معدہ اس کے ھضم پر قادر ھو گا اور نہ کھانا تغذیۂ بدن کرے گا - اسی طرح اگر کوئی طالب علم پڑھنے میں طوطے کی طرح سے رٹتا جائے جیسا کہ آج کل ھو رھا ھے

تو یقیناً وہ اس کو ہضم نہیں کرے گا اور نہیں کر سکتا - اور نہ ایسا پڑھنا اس کے لئے مفید ہوگا اور نہیں ہوتا - کسی کا کیا اچھا مقولہ کبھی کا نظر سے گزرا ہوا یاد ہے "سم تھنگ آف ایوری تھنگ اینڈ ایوری تھنگ آف سم تھنگ" (ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا اور کوئی چیز ساری بھی) بس مجھ سے پوچھتے ہو تو تعلیم میں اس قاعدے کی حرفاً حرفاً تعمیل ہونی چاہئیے - تعلیم مروجہ میں "سم تھنگ آف ایوری تھنگ" (ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا) کا نباہ تو خوب کیا جاتا ہے مگر "ایوری تھنگ آف سم تھنگ" (کوئی چیز ساری بھی) کا مطلق خیال نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس طریقے کے مطابق جتنے لوگوں نے تعلیم پائی اُن میں کوئی شخص کسی شعبے کا کامل فن نہ ہوا - جس طرح فی المثل درخت مثمر کی رسیدگی کا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اُس میں پھل نہیں آتا اُسی طرح درخت علم کو بے کمال کے رسیدگی نہیں ہوتی اور نہ اس سے کسی فائدہ کی امید کی جاسکتی ہے - علم شے بہ از جہل شے' کے اعتبار سے دیکھو تو ادنیٰ درجہ کی تعلیم بھی خالی از منفعت نہیں - مثلاً گروہ کاشتکاراں اگر اتنا لکھنا پڑھنا اور لیکھا کرنا سیکھ لیں کہ پٹواری مغالطہ دہی اور زمین دار زیادہ ستانی نہ کرسکے تو اس سے کس کو انکار ہے کہ اتنی ہی استعداد علمی کاشتکار کے لئے مفید ہوگی اور کون کہتا ہے کہ کاشتکاروں کو اس قدر تعلیم جس کے وہ سخت حاجت مند ہیں نہ دی جائے لیکن گفتگو اس میں ہے کہ اگر ہندوستان کو یورپ کی طرح ترقی

دنیا منظور ہے تو آیا ویسی ترقی اور ویسی کا کیا مذکور ہے، اُس کی آدھی؛ پاؤ بھی اس تعلیم کے ذریعے ہوسکے گی یا نہیں۔ مجھہ کو اس کا کامل اذان ہے کہ جب تک علوم جدیدہ کے ہر شعبے کے کامل فن تیار نہ ہوں گے ہندوستان حضیض نکبت سے ایک انچ کے قدر بھی تو اوپر کو نہیں اُبھر سکتا - اور جب ہمارے طالب‌علم کمال کی لذتوں سے آشنا ہوں گے تو سمجھیں گے۔ نوکری کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو خسیس ترین منفعت ہے جس کی ایک کامل فن توقع کرسکتا ہے - جو لوگ اس وقت علوم جدیدہ کے حاصل کرنے میں مصروف ہیں - اُن کے بزرگ، اُن کے خیر خواہ، اُن کے استاد، اُن کے مہتمن بہترین نصیحتیں ان کو کرتے ہوں گے؛ میں ایک اجنبی آدمی ہوں، نہ کچھہ غرض نہ مطلب، حسبۃً للہ ایک نصیحت میں بھی کئے دیتا ہوں؛ یاد رکھو گے تو یاد کرو گے —

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

راجہ مان سنگھہ

از

(منشی نواب رائے)

دربار اکبری کے جادو طراز مصور نے کیا خوب کہا ہے " اس عالی خاندان راجہ کی تصویر دربار اکبری کے موقع میں سونے کے پانی سے کھینچنی چاهئے " - بے شک ! اور نہ صرف مان سنگھہ کی بلکہ اس کے نامور باپ راجہ بھگوان داس و مشہور دادا راجہ پہاڑا مل کی تصویریں بھی اسی اعزاز اور سنگار کی مستحق ہیں - راجہ پہاڑامل وہ پہلا عالی دماغ وسیع نظر راجہ تھا جس نے ہزاروں برس کے مذہبی تعصبات مصالح ملکی پر قربان کرکے مسلمانوں سے ناتا جوڑا اور سنہ ۹۶۹ ھ میں اپنی فرخندہ صفات بیٹی اکبر کی عروسی میں دی - امبیر کے خاندان کچھواهہ کو آزاد خیالی اور بے تعصبی کے میدان میں پیش قدمی کرنے کا فخر حاصل ہے اور جب تک ان اوصاف خجستہ کی وقعت زمانے کی نگاہوں میں رہے گی ' اس خاندان کے نام پر ہمیشہ اعزاز کا فاتحہ پڑھا جائے گا ـــ

مان سنگھہ امبیر میں پیدا ہوا اور اس کی طفولیت کا زمانہ اسی ملک کے پر جوش و جنگجو باشندوں میں گزرا جن سے اس نے دلاوری و جانبازی کے سبق پڑھے۔ مگر جب شباب نے دل میں جوش اور جوش میں اُمنگ پیدا کی تو دربار اکبری کی طرف رخ کیا جو اس زمانے میں اعزاز و وقار، منصب و اقتدار کی کان سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ہونہار جواں بخت بیٹے کی جتنی آؤ بھگت ہونی چاہئیے اس سے زیادہ ہوئی۔ اکبر اس کے ساتھہ پدرانہ شفقت سے پیش آیا - اور جب سنہ ۱۵۷۲ع میں گجرات پر فوج کشی کی تو اس نوجوان کنور کو ہمراہی کا افتخار بخشا اس مہم میں اس نے وہ بڑہ بڑہ کر ہاتھہ مارے کہ اکبر کی نظروں میں جچ گیا۔ اگر کچھہ کور کسر تھی وہ اس وقت پوری ہوگئی جب خان اعظم احمدآباد میں گھر گئے اور اکبر نے آگرہ سے کوچ کرکے دو مہینے کی راہ سات دن میں طے کی - نوجوان کنور اس یلغار میں بھی ہمرکاب رہا - یہ گویا اس کی تعلیم و امتحان کے دن تھے —

اب وہ زمانہ آیا کہ معتمد خدمات کی دستار فضیلت اس کے سر باندھی جائیے - حسن اتفاق سے موقع بھی جلد ہاتھہ آیا - شولاپور کی مہم مارے چلا آرہا تھا کہ راستے میں مقام کوھتمبیر پر رانا پرتاپ سنگھہ سے ملاقات ہوی - رانا کچھواھہ خاندان پر اس کی آزاد خیالیوں کے باعث تنا بیٹھا تھا کہ اس نے راجپوتوں کے ساتھہ

پر کلنک کا ٹیکہ لگایا' مان سنگھ پر طعن و تشنیع کے چبھتے ہوے تیر سو گئے جو اس کے کلیجے کے پار ہو گئے - اُن زخموں کے لئے سواے انتقام کے اور کوئی شفابخش مرہم نظر نہ آیا —

مان سنگھ نے آگرہ میں آکر اکبر سے تمام و کمال ماجرا بیان کیا - اکبر عالی ہمت بادشاہ تھا - غضب میں آگیا - رانا پر فوج کشی کی تیاری کی' شہزادۂ سلیم کے نام سپہ سالاری ہوی اور مان سنگھ اس کا مشیر مقرر ہوا —

شاہی فوج پہاڑوں جنگلوں کو طے کرتی رانا کے ملک میں داخل ہوئی - رانا پرتاب سنگھ بھی اپنے بائیس ہزار جاں نثار راجپوتوں کے ساتھ ہلدی گھاٹ کے میدان میں کھڑا تھا - یہاں خوب گھمسان کی لڑائی ہوی' خون کی ندیاں بہ گئیں' پہاڑوں کے پتھر شنگرف ہوگئے - میواڑ کے بیر مان سنگھ کے خون کے پیاسے ہورہے تھے' ایسے جان توڑ توڑ کر حملہ کرتے تھے کہ اگر سد سکندری بھی ہوتی تو شاید اپنی جگہ پر قایم نہ رہ سکتی - مگر مان سنگھ بھی شیر کا دل رکھتا تھا' اس پر جوانی کا جوش - حوصلہ کہتا تھا ساری فوج کی نگاہیں تجھ پر ہیں' دکھادے کہ راجپوت اپنی تلوار کا ایسا دھنی ہے! آخر اقبال اکبری غالب آیا' رانا کے بیروں کے قدم اکھڑ گئے - کہاں ہیں اسپارٹا کی تعریف میں ورقوں کو سیاہ کرنے والے! آئیں اور دیکھیں کہ ہندوستان کے جودھا کیسے بے جگری کے ساتھ جان دیتے ہیں —

رانا لڑائی تو ہار گیا مگر ہمت نہ ہارا - اس کی
ہیکڑی اُس کے گلے کا ہار بنی رہی - جب کبھی میدان خالی پاتا
اپنے جانبازوں کے ساتھہ قلعے سے نکل پڑتا اور قرب و جوار
میں طوفان برپا کرتا - اکبر نے چند دنوں تک طرح دی
مگر جب رانا کی زیادتیاں جادۂ اعتدال سے متجاوز ہوگئیں
تو سنہ ۱۵۶۷ع میں اس پر پھر فوج کشی کی تیاری
کی - خود تو اجمیر میں آکر ٹھیرا اور مان سنگھ کو خطاب
فرزندی کے ساتھہ اس مہم کی سپہ سالاری پر ممتاز کیا-
راجہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر دم میں گوکنڈا
جا دھمکا، جہاں رانا اپنے برے دن کاٹ رہا تھا —

رانا نے بھی اب کے مرنے مارنے کی ٹھان لی تھی -
جوں ہی دونوں فوجیں مقابل میں آراستہ ہوئیں اور
ڈنکے پر چوٹ پڑی، لڑائی دست بدست ہونے لگی - رانا کے غیور
راجپوت ایسی بے جگری سے جھپٹے کہ شاہی فوج کے دونوں
بازؤں کو درہم برہم کردیا - مگر مان سنگھہ جو قلب فوج
میں تھا، استقلال کے ساتھہ ڈٹا کھڑا رہا - یکا یک اس کے
تیور بدلے، شیر کی طرح گرجا، اپنے ساتھیوں کو للکارا
اور بجلی کی طرح رانا کی فوج پر ٹوٹ پڑا - رانا غصہ
میں بھرا خم ٹھونک کر سامنے آیا اور دونوں دلاور گتھہ گئے -
اوپر تلے کئی وار ہوے اور رانا گھائل ہو کر پیچھے ہٹا -
اس کے ہٹتے ہی اس کی فوج میں کھلبلی پڑگئی - اُن کے
قدم اُکھڑے تھے کہ مان سنگھہ کے جان سوز تیغے نے ہزاروں
کو خاک پر سلادیا - اس کی شجاعت نے آج وہ کرتب

دکھائے کہ اچھے اچھے جنگ آزما مغل جو بابری تلوار کی
کاٹ دیکھے ہوئے تھے دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گئے —

اس فتح نے کنور مان سنگھ کی سپہ سالاری کی دھوم
مچادی ' مگر سنہ ۱۵۸۱ ع میں اس کی تلوار نے وہ تڑپ دکھائی
کہ " ہندی لوہے نے ولایتی کے جوہر مٹادیے " - ملک بنگال میں
چند امرا نے شورش کی اور اکبر کے سوتیلے بھائی مرزا حکیم
کو چڑھا لانے کی بندشیں باندھنا شروع کیں - مرزا باغ باغ
ہوگیا - اپنی فوج لے کر پنجاب کی طرف بڑھا - ادھر سے راجہ
مان سنگھہ سپہ سالار بن کر اس کے مقابلے کو روانہ ہوے -
مرزا کا کوکہ شادماں جو دلیر آدمی تھا اٹک کا محاصرہ کئے
پڑا تھا - نقارے کی گھن گرج آواز کان میں پڑی تو چونکا مگر
اب کیا ہوتا تھا - مان سنگھہ سر پر آپہنچا تھا - اس کی
فوج طرفۃالعین میں تتر بتر ہوگئی - اور شادماں خاک پر
پڑا دکھائی دیا —

مرزا نے جب یہ خبر سنی تو سخت برہم ہوا ' فوراً کمر
ہمت چست باندھی اور یہ سمجھہ کر کہ اکبر بنگالہ کے معاملات
میں الجھا ہوا ہے لاہور تک دراتا ہوا گھس آیا - مگر جوں ہی
سنا کہ اکبر دھاوا مارے ادھر چلا آرہا ہے اس کے اوسان خطا
ہوگئے - پہاڑوں کو پھاندتا ' دریاؤں کو پار کرتا کابل کو بھاگا -
مان سنگھہ بھی بموجب حکم شاہی پشاور پر جا پڑا اور کابل
کی طرف بڑھنا شروع کیا - اکبر اقبال کا لشکر لئے اس کے
پیچھے پیچھے چلا —

مان سنگھہ بے خوف و خطر گھستا ہوا خود کابل تک جا پہنچا

اور یہاں ٹھہرا کہ حریف میدان میں آئے تو دور دراز منزلوں کی تھکن دور ہو - مرزا حکیم بھی بڑے شش و پنج کے بعد فوج لئے ایک گھاٹی سے نمودار ہوا اور ہنگامۂ کارزار گرم ہوگیا - دونوں طرف کے دلاور خوب دل توڑ کے لڑے - گو مقابلہ بہت سخت تھا اور راجپوت ایسی نا ہموار زمین پر لڑنے کے عادی نہ تھے مگر مان سنگھہ نے سپاہیوں کو ایسا ابھارا اور ایسے موقع موقع سے کمک پہنچائی کہ آخر میدان مار لیا - حریف بھیڑوں کی طرح بھاگے - راجپوتوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہ گئے مگر دوسرے دن سورج بھی نہ نکلنے پایا تھا کہ مرزا کا ماموں فریدوں خاں پھر فوج لے کر پہنچا - مان سنگھہ نے بھی اپنی فوج اس کے مقابل کھڑی کی اور چٹ پٹ خون کی پیاسی تلواریں میانوں سے نکلیں اور توپوں نے گولے اُگلے اور ریل پیل ہونے لگی ، دو گھنٹے تک تیغے چلتے رہے - آخر دشمن پسپا ہوا - اور مان سنگھہ مظفر و منصور کابل میں داخل ہوا - مگر اکبر کی کریم النفسی اور دریا دلی پر ہزار آفریں ہے کہ اس ملک پر جو اتنی خونریزیوں کے بعد فتح ہوا تھا متصرف نہ ہوا ، بلکہ مرزا کی خطائیں معاف کیں اور اس کا ملک اس کو دے دیا - پشاور اور سرحدی ملک کے اختیارات مان سنگھہ کے سپرد کئے اور دو برس تک راجہ نے ان خدمات کو بڑی فراست و متانت سے انجام دیا - اس ملک کا ایک ایک چپہ فتنۂ و فساد کا اکھاڑا ہو رہا تھا ، راجہ نے اپنی حکمت عملیوں اور جگرداریوں سے بڑے بڑے مفسدوں کی رگیں ڈھیلی کردیں -

اس کے ساتھ ھی اس کے لطف و اخلاق نے شرفا پر تسخیر کا عمل پڑھا - غول کے غول سلام کو حاضر ھونے لگے - تاھم رعایا کو عرصے تک آسودہ نہ رکھہ سکا - اس کے سپاھی آخر راجپوت تھے ' افغانوں کی بدعتیں اور ان کے مظالم یاد کرتے تو بے اختیار پیشانیوں پر بل پڑجاتے ' اس جذبے میں آکر رعایا کو ستاتے - چنانچہ اس کی شکایتیں دربار شاھی میں پہنچیں اور راجہ بہار کو بھیج دیے گئے —

بنگالہ سلطنت اکبری کا وہ نازک حصہ تھا جہاں فاسد مادہ مجتمع ھوکر پکا کرتا تھا ' اکثر سرکش لوگ وھیں آباد ھوگئے تھے - اور گو اکبر نے کئی بار ان کا نشہ ھرن کردیا تھا مگر اب بھی چند ایسے سر باقی تھے جن میں سلطنت کا سودا سمایا ھوا تھا اور وہ وقتاً فوقتاً فتنہ انگیزیاں کیا کرتے تھے - وھاں کے ھندو راجاؤں نے بھی ان کے ساتھہ رشتۂ اتحاد استوار رکھا تھا اور وقت ضرورت پر حق رفاقت ادا کرتے تھے —

کنور مان سنگھہ جاتے ھی راجہ پورن مل کندھور پر چڑھ گیا اور اس کے گھمنڈ کا قلعہ ڈھا دیا - راجہ سنگرام کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارا اور چند دیگر راجاؤں کو زیر کرکے بہار کو مفسدوں سے پاک و صاف کردیا - ان شاندار خدمات کے صلے میں اس کو راجگی کا خطاب ' خلعت خاصہ ' اسپ زریں ' اور منصب پنج ھزاری عطا ھوا —

مگر ایسے اولوالعزم ' جوشیلے راجپوت سے کب خاموش بیٹھا جاتا تھا - سنہ ۱۵۹۰ ع میں اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی ' وہ اُڑیسہ میں داخل ھوگیا - ان دنوں یہاں قتلوخاں افغان حکومت

کرتا تھا۔ مقابلے پر آمادہ ہوا مگر حسن اتفاق! اسی اثنا میں افغانوں میں ناچاقی ہوگئی۔ قتلوخاں قتل ہوا۔ باقی سرداروں نے اطاعت اختیار کی اور کئی سال تک حلقہ بگوش رہے۔ مگر یکایک ان کی ہمتوں نے پھر سر ابھارا' بادشاہی ملک پر چڑھ آئے۔ راجہ کو بیکاری وبال جان ہورہی تھی' حیلہ ہاتھ آیا' فوراً فوج لیکر بڑھا اور حریفوں کے علاقے میں نشان اکبری نصب کردیا۔ افغان بڑے جوش و خروش سے مقابلے کو آئے مگر راجپوت سورماؤں کے آگے ایک بھی پیش نہ گئی' دم کے دم میں ستھراؤ ہوگیا' بقیۃالسیف اپنی جان لیکر بھاگے اور بہار سے لیکر دریاے شور تک اقبال اکبری کا پھریرا لہرانے لگا —

راجہ مان سنگھ جیسا جنگ آزمائی کے فن میں ماہر تھا' ویساہی ملک داری کے اصولوں سے آگاہ تھا۔ اس کے تعمق نے دیکھہ لیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے کی نہیں۔ یوں عملداری کبھی قائم نہ رہے گی تا وقتیکہ ایک ایسا شہر آباد نہ کیا جاے جو دریائی حملے سے محفوظ ہو اور ایسے مرکزی مقام پر واقع ہو کہ وہاں سے چاروں طرف آسانی سے کمک بھیجی جاسکے۔ آخر بڑی رد و کد' صلاح و مشورہ کے بعد اکبرنگر کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ گویا جنگل میں منگل ہوگیا۔ چند ہی سالوں میں یہ شہر ایسی رونق پر ہوگیا کہ طلسمات کا عالم دکھانے لگا۔ یہ شہر آج راج محل کے نام سے مشہور ہے اور جب تک صفحۂ ہستی پر قائم رہے گا' اپنے بانی کا نام روشن کرتا رہے گا۔ اس شہر کے بیچوں بیچ میں ایک مستحکم وسیع

قلعہ تعمیر کیا گیا اور پھر دوبارہ افغانوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی - راجہ نے چار ہی پانچ سال کی جانفشانیوں میں سارے بنگال سے اکبر کے قدموں پر سجدہ کرایا - خان زماں، خانخاناں، راجہ ٹوڈرمل جیسے جیسے ناموروں نے بنگالے پر جادو پھونکے مگر وہاں تسلط جمانے میں ناکام رہے - مورخین نے اس فضیلت کا تمغا مان سنگھ کے نام پر لکھا ہے - ان مہموں میں نوجوان جگت سنگھ نے بھی مردانگی کے خوب جوہر دکھائے اور سنہ ۱۵۹۸ ع میں کوہستان پنجاب کی صوبہداری سے سرفراز ہوا - مگر یہ میاں مان سنگھ کے لئے منحوس تھا - اس کے دو بیٹے عین عنفوان شباب کے زمانے میں جب کہ نعمت زندگی سے متمتع ہونے کے دن آرہے تھے اجل کا شکار ہوئے اور باپ کی امیدوں کی کمر توڑ گئے —

مگر غالباً راجہ اب ان تمام نعمتوں سے حظ اُٹھا چکا تھا جو قسام ازل نے اس کی پیشانیٔ تقدیر میں لکھی تھیں - ان پر ملال، جانگداز سانحوں کے دو ہی سال بعد اس کے دل نے ایسے ایسے زخم کھائے جن سے وہ جانبر نہ ہوسکا —

میواڑ کا رانا ابھی تک گوش گذاروں کے حلقے میں نہیں آیا تھا اور اکبر کے دل سے لگی ہوی تھی کہ اُسے اطاعت کا جوا پہنائے - ابھی تک جتنی فوجیں اس مہم پر گئی تھیں ناکام لوٹی تھیں - اب کی بار بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں ہوئیں، شہزادۂ سلیم کے نام سپہ سالاری ہوی اور راجہ مان سنگھ اس کے صلاح کار بن کر چلے - ہونہار جگت سنگھ بنگالے میں باپ کا جانشین ہوا - خوش خوش پنجاب سے آگرے آیا

اور سامان سفر میں مصروف تھا کہ یکا یک دنیا سے اُٹھ گیا۔ نہایت خوش رو، خوش اخلاق جوان تھا۔ کچھواھہ خاندان کے گھر گھر کہرام مچ گیا، مان سنگھہ کو یہ خبر ملی تو اس کی آنکھوں میں جگت سونا ھو گیا۔ دو بیٹوں کے زخم ابھی نہ بھرنے پائے تھے کہ یہ زخم اور کاری لگا۔ ھائے! جوان اور ھونہار بیٹے کی موت کا صدمہ کوئی اس کے دل سے پوچھے۔ اکبر کو بھی اس جوانا مرگ کا سخت رنج ھوا۔ مرنے والے کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اس کے بیٹے مہان سنگھہ کو بنگالے بھیجا، مگر کنور ابھی نا تجربہ کار تھا، افغانوں سے شکست کھائی اور سارے بنگال میں باغیوں نے خودسری کے نشان بلند کردئیے۔ اُدھر شہزادۂ سلیم کی طبیعت بھی رانا کی مہم سے اُچاٹ ھوی۔ عیش و عشرت کا بندہ تھا، پہاڑوں سے سر ٹکرانا پسند نہ آیا، بلا بادشاہ کی اجازت کے الہ‌آباد کو لوٹ پڑا۔ راجہ بھی بنگالے کی طرف چلا کہ بغاوت کی آگ کو مفسدوں کے خون سے بجھائے۔ مگر افسوس! بڑھاپے میں بد نامی کا دھبا لگا جس کا راجہ کو نہایت سخت ملال ھوا۔ اکبر کو شبہہ ھوا کہ شہزادۂ سلیم راجہ ھی کے اشارے سے لوٹا ھے، گو اس کی کچھہ بنیاد نہ تھی، کیونکہ شہزادہ راجہ سے پہلے سے بدظن تھا۔ مگر راجہ کی کارگزاریوں اور جانبازیوں نے یہ شبہہ بہت جلد رفع کردیا۔ چند ھی مہینوں میں بنگالہ پھر سر بسجود ھو گیا اور سنہ ۱۵۰۴ع میں اکبر کی قدردانی نے اس کو شہزادۂ خسرو کی اتالیقی پر ممتاز کرکے ھفت هزاری چھہ هزار کے منصب پر سر بلند کیا۔ اب تک یہ معراج

کسی امیر کو میسر نہ ہوئی تھی۔ مگر بجز راجہ ٹوڈر مل کے دوسرا کون تھا جو وفاداری اور جاں نثاری میں اس کی برابری کرسکتا۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ خود بھی ایک نامی گرامی خاندان کا چراغ تھا جس کے ساتھ بیس ہزار دلاور ہر دم پسینے کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ مگر افسوس! فلک ناهنجار نے اس اعزاز و اکرام سے زیادہ عرصے تک دامن نہ بھرنے دیا۔ سنہ ۱۶۰۵ ع میں اکبر نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ اور اسی تاریخ سے مان سنگھ کا ستارہ بھی زوال میں آیا۔ تاهم جہانگیر کے عہد میں بھی اس نے نو برس تک عزت و آبرو کے ساتھ نباہا۔ اس کی عقل سلیم اور سلامت روی کی داد دینی چاہئیے' جیسا زمانہ دیکھتا تھا ویسا کرتا تھا۔ اور جہانگیر کی بلند حوصلگی کو بھی آفرین ہے کہ گو راجہ کو خسرو کی فتنہ انگیزیوں کا بانی سمجھتا تھا مگر اس کا مرتبہ اور منصب سب بحال رکھا۔ خانخاناں اور مرزا عزیز مصلحت بیں نگاهیں نہ رکھتے تھے' اکبر کے بعد جب تک جئیے' زندہ در گور اد بار کی مصیبتیں جھیلتے رہے —

سنہ ۱۶۱۴ ع میں جہانگیر نے ایک زبردست فوج خان جہاں کی سپہ سالاری میں مہم دکن پر بھیجی۔ راجہ مان سنگھ بھی جو کہ دربار کی سرد مہریوں اور بے نیازیوں سے بیزار ہو رہا تھا' اس مہم کے ساتھ چلا کہ اگر ممکن ہو تو بڑھاپے میں جوانی کا جوش دکھا کر بادشاہ کے دل میں جگہ پائے مگر موت نے یہ ارمان نہ نکالنے دیا۔ بیٹوں میں سے صرف بھاؤ سنگھ جیتا بچا تھا' جہانگیر نے اسے مرزا راجہ کا خطاب

دے کر چار ہزار منصب پر ممتاز کیا —

راجہ ملک داری اور ملک گیری کے اصولوں سے خوب ماہر تھا اور ان پر خوبی کے ساتھہ کار بند ہونا جانتا تھا ۔ جس مہم پر گیا سرخ رو لوٹا ۔ افغانستان کے لوگ ابھی تک اس کا نام عزت سے لیتے ہیں ۔ ان فضائل کے ساتھ متواضع، ملنسار، خوش اخلاق، نیک اور شگفتہ مزاج تھا ۔ اس کی دریا دلی اُس زمانے میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی ۔ جس کی ایک روایت یوں بیان کی جاتی ہے ۔ جس وقت دکن کی مہم جارہی تھی بالا گھاٹ میں غلے کا ایسا قحط ہوا کہ ایک روپے کے آٹے میں بھی آدمی کا پیٹ نہیں بھرتا تھا ۔ ایک دن راجہ نے کچہری سے اُٹھہ کر کہا کہ اگر میں مسلمان ہوتا تو ایک وقت کا کھانا ہزار مسلمانوں کے ساتھہ کھاتا ۔ مگر میں سب کی ریش سفید ہوں، مجھہ سے سب بڑائی برگ تنبول قبول کریں، سب سے اول خان جہاں لودھی نے ہاتھہ سر پر رکھہ کر کہا مجھے قبول ہے، پھر اوروں نے بھی قبول کیا ۔ راجہ نے یومیہ ایک سو روپیہ پنج ہزاری کا اور اسی حساب سے اوروں کا صرفۂ دعوت مقرر کیا ۔ ہر رات کو ایک خریطے میں ہر شخص کے پاس یہ روپیہ پہنچ جاتا، خریطے پر اس کا نام لکھا ہوتا ۔ سپاہیوں کو رسد پہنچنے تک سستی قیمت پر جنس مہیا کرواتا، حتیٰ کہ راہ میں مسلمانوں کے واسطے حمام اور کپڑے کی مسجد ایستادہ کرواتا ۔ اس کو فیاضی کہتے ہیں! اور دریا دلی اس کا نام ہے! باغ و بہار میں شہزادی بصرہ کا قصہ پڑھئے اور اس کا موازنہ اس تاریخی

روایت سے کیجیئے —

راجہ ٹوڈر مل کی طرح راجہ مان سنگھ بھی مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب پر راسخ رہا، مگر تعصب سے اس کی فطرت کو ذرہ بھر بھی لگاؤ نہ تھا۔ متعصب آدمی کا دور اکبری میں عروج پانا نا ممکنات سے تھا۔ اکبر نے راجہ سے ایک بار کنایتاً تبدیل مذہب کی تحریک کی تھی مگر راجہ نے ایسا برجستہ جواب دیا کہ بادشاہ کو خاموش ہونا پڑا۔ کتابوں میں بہت سے تذکرے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور نکتہ فہمی میں بھی اوروں سے دو قدم آگے تھا۔ یہی اوصاف تھے جو اس کے عروج کے زینے تھے —

مگر ہماری نظروں میں تو اس کی وقعت اس لئے ہے کہ اس کے خاندان نے پہلے پہل متضاد عناصر میں امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی —

تجارت کا اثر اخلاق پر

از

سید محمود مرحوم

جس طرح بڑے بڑے کامیاب تاجر نوکری کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کو ادنیٰ درجے کی غلامی اور آزادی کی برباد کرنے والی سمجھتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے علم و فضل یا مناصب و خدمات کی وجہ سے امتیاز حاصل کیا ہے، بیوپار اور دوکانداری کو قوائے ذہنی اور عقل و اخلاق کے حق میں نہایت مضر بتاتے ہیں - مگر حق یہ ہے کہ تجارت میں ہمیشہ وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں جن کے اخلاق درست اور عقل سلیم ہوتی ہے - ایک لائق مصنف لکھتا ہے کہ "تجارت کے برابر کوئی چیز انسان کے اخلاق کی کسوٹی نہیں ہے" - ایک عالم جو محض کتابوں کے مطالعے اور فلسفیانہ استدلال و احتجاج میں رات دن مصروف رہتا ہے وہ خود نہیں جانتا کہ میں کیا چیز ہوں - اگر وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہونا اور اپنی عقل اور اخلاق کی آزمایش کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ بازار میں قدم رنجہ کرے - اُس کو بہت جلد معلوم ہوجائے گا

کہ وہ دانشمند اور نیک آدمی ہے یا احمق اور شریرالنفس اُس کی کامیابی اور ناکامی خود اس کو اپنی حقیقت سے خبردار کردے گی - پس جو قوم تجارت سے کچھ تعلق نہیں رکھتی، اس کے کسی فرد کی نسبت قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دانشمند یا نیک نہاد ہے یا احمق اور بد نہاد ہے —

اگرچہ تاجر ہمیشہ مذہب یا کانشنس کی ہدایت سے اپنے اخلاق کی اصلاح نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی کامیابی اس میں سمجھتا ہے کہ اس کی دیانت داری، خوش معاملگی ارو راستبازی پر لوگوں کو اعتماد ہو - لیکن جیسا کہ خصائل انسانی کا خاصہ ہے، رفتہ رفتہ یہ خصلتیں جو اس نے بضرورت اختیار کی تھیں اس کی طبیعت ثانی بن جاتی ہیں —

یہ کہنا کہ تجارت قوائے عقلیہ کے حق میں مضر ہے، واقعے کے بالکل برخلاف ہے - جس قدر تاجر کو اپنی عقل و تدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے ایسی اور کسی پیشے والے کو نہیں ہوتی - نوکری پیشہ کو اپنی نوکری پر قائم رہنے یا ترقی حاصل کرنے کے لئے صرف اپنے معمولی فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے اور کسان کی کامیابی فقط اُس کی محنت اور بخت اور اتفاق پر موقوف ہے مگر تاجر کو باوجود ان تمام فرائض کے جو ایک سچے تاجر کو ادا کرنے ضرور ہیں ہر وقت عقل سے مشورہ لینے اور ایک شطرنج باز کی طرح نت نئی چال چلنے کی

ضرورت ہوتی ہے وہ ہروقت زمانے کے تیور دیکھتا اور
پبلک کے دل ٹٹولتا ہے - اکثر اوقات اس کو فائدہ کثیر کے
لالچ میں راستبازی کے خلاف عمل در آمد کرنے کی ترغیب
ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھہ اس بات کا خوف بھی دامن‌گیر
ہوتا ہے کہ اگر یہ راز کھل گیا تو اعتبار نہ رہے گا - غرض کہ
اسی قسم کی بیشمار حالتیں جن میں انسان متردد ہوتا
ہے کہ کونسی جانب اختیار کی جائے تاجر کو قدم قدم پر
پیش آتی ہیں اور اس کو عقل و تدبیر سے کام لینے
اور کامل غور کرنے پر مجبور کرتی ہیں - اور اسی طرح
تاجر کی عقل معاش روز بروز جلا پاتی جاتی ہے - مگر
نوکری پیشہ یا کاشتکار کو ایسے مرحلے بہت کم پیش آتے
ہیں ' وہ معمولی قواعد کے شارع عام پر آنکھیں بند کئے
چلے جاتے ہیں نوکری پیشہ اگر اپنے فرائض دیانت اور محنت
کے ساتھہ انجام دیتا ہے تو اس کو اس بات کا مطلق
اندیشہ نہیں کہ میری وجہ معین میں کچھہ کمی واقع
ہوجائے گی - کاشتکار کی کامیابی زیادہ تر آسمانی مدد
پر منحصر ہے ' جس میں انسانی عقل و تدبیر کو کچھہ دخل
نہیں - اس لئے پہلا عدم ضرورت کے سبب اور دوسرا عدم قدرت
کے سبب عقل اور تدبیر سے بہت کم کام لیتا ہے - مگر تاجرخوب
جانتاہے کہ ذرا چال چوکا اور مصیبت میں گرفتار ہوا - اس لئے
اس کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے - یہی وجہ ہے کہ
جو قوم تجارت سے کچھہ تعلق نہیں رکھتی اور نوکری کے سوا
کسی اورذریعے سےمعاش پیدانہیں کرتی چندنسلوں کے بعد اُن میں

تدبیر معاش کا مادہ باقی نہیں رہتا ، کیونکہ جس طرح کسی عضو کے معطل و بیکار رکھنے سے اس کی قوت زائل ہو جاتی ہے اور اس میں سکت باقی نہیں رہتی، اسی طرح قوائے ذہنیہ سے جب کچھ کام لیا نہیں جاتا تو وہ بالکل از کار رفتہ ہو جاتے ہیں - اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس قوم میں مستثنیٰ مثالیں ایسے اشخاص کی پائیں جو اعلیٰ درجے کی عقل معاش رکھتے ہوں لیکن ایسے مستثنیات سے قاعدۂ کلیہ ٹوٹ نہیں سکتا —

جس طرح تجارت سے قومی عقل معاش ترقی پاتی ہے، اسی طرح بہت عمدہ اخلاق اور عمدہ خصلتیں صرف تجارت ہی کے ذریعے سے تمام قوم میں شائع ہوتی ہیں - جز رسی اور کفایت شعاری جس کے بغیر کسی خاندان بلکہ کسی قوم کا وقار دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا صرف تجارت ہی کی بدولت تمام قوم میں سرایت کرتی ہے - اگرچہ ممکن ہے کہ ہر ایک قوم میں خواہ وہ قوم تجارت پیشہ ہو اور خواہ نوکری پیشہ کچھ افراد جزرسی اور کفایت شعاری کے ساتھ موصوف پائے جاتے ہوں لیکن ہمارے نزدیک کوئی قوم عام طور پر جزرس اور کفایت شعار نہیں ہو سکتی جب تک کہ عام طور پر اُس میں تجارت شائع نہ ہو —

جس طرح تجارت سے جز رسی اور کفایت شعاری کی بنیاد تمام قوم میں پڑتی ہے اسی طرح تحمل، بردباری، نرمی اور مرافقت بغیر تجارت کے کسی قوم کی قومی خصلت نہیں بنتی - جس طرح سلطنت اور حکومت کا میلان

ظلم اور تشدد اور غرور و نخوت کی جانب ہوتا ہے، اسی طرح تجارت کا اقتضا یہ ہے کہ تند مزاجوں کو دھیما، مغروروں کو خاکسار، سخت کلاموں کو شیریں بیان اور جباروں کو منکسرالمزاج بناتی ہے۔ جو قومیں تجارت پیشہ ہوتی ہیں ایک مدت کے بعد ان کی نسلیں فطرتاً ان خصلتوں پر مجبول پیدا ہوتی ہیں کیونکہ اولاد کے جسمانی اور نفسانی قوی اپنے آبا و اجداد کے جسمانی اور نفسانی قوی کے تابع ہوتے ہیں - جس طرح قوی اور تنومند ماں باپ کی اولاد تنومند ہوتی ہے اسی طرح متحمل اور برد بار ماں باپ کی اولاد مستثنیٰ صورتوں کے سوا ضرور ہے کہ متحمل و بردبار ہو —

اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں ابھی تک راستباز تاجروں کی تعداد بمقابلہ جو فروش گندم نماؤں کے بہت کم ہے لیکن اس سے تجارت کے پاک دامن پر کوئی دھبا نہیں لگتا - جس طرح علم کا خاصہ ہے کہ وہ براہ راست نیکی کی راہ سجھاتا ہے لیکن باوجود اس کے بہت سے اہل علم اپنی بد اعمالیوں سے علم کو بدنام کرتے ہیں اسی طرح تجارت براہ راست ایمانداری اور راستبازی کی تعلیم دیتی ہے لیکن نالائق تاجر چند روزہ منفعت کے لئے بد دیانتی اور فریب اختیار کر کے تجارت کی پائدار برکتوں سے محروم رہتے ہیں —

اصل یہ ہے کہ جب تک کسی ملک کی تجارت وہاں کے تعلیم یافتہ گروہ کے ہاتھ میں نہیں آتی بلکہ جاہلوں اور

نالائقوں کے پنجے میں پھنسی رہتی ہے تب تک تجارت کی کامیابی کا بھید عام نظروں سے مخفی رہتا ہے - اکثر نفع یا نقصان کو امور تقدیری میں شمار کرتے ہیں جن میں انسان کی عقل و تدبیر کچھہ کام نہیں دے سکتی' حالانکہ وہ تدبیر سے ایک دم غافل نہیں رہتے —

اصلی جرأت اور دلیری بھی جیسی تجارت کی بدولت انسان میں پیدا ہوتی ہے ایسی کسی اور پیشے کے ذریعے سے نہیں ہوتی - شاید وہ لوگ جو تجارت اور دلیری میں منافات سمجھتے ہیں اس بات کو سن کر متعجب ہوں' مگر اُن کو یاد رکھنا چاہئیے کہ دلیری یا بزدلی کسی خاص فرقے کے ساتھہ خصوصیت نہیں رکھتی - ممکن ہے کہ ایک سپاھی یا سپہ سالار نہایت بزدل ہو اور ایک بیوپاری بہت بڑا بہادر ہو - جس طرح بہادروں کو میدان جنگ میں دلیری اور شجاعت کے کام کرنے پڑتے ہیں اسی طرح ہر شخص کو اپنی روزانہ زندگی میں اکثر موقعوں پر دلیری سے کام کرنے پڑتے ہیں —

الغرض تجارت کی کامیابی کے لئے جس کا مدار تاجر کے مقبول و معتمد خاص و عام ہونے پر ہے' نہایت ضرور ہے کہ تاجر علاوہ عاقل اور مدبر ہونے کے عمدہ اخلاق اور عمدہ خصلتوں سے آراستہ ہو اور اس لئے تجارت کو انسان کا معلم اور اتالیق کہا جاوے تو کچھہ بیجا نہیں —

لڑائی جو انسان کی خوں ریز دشمن اور ملکوں کی غارت کرنے والی دیوی ہے اور جو اب بھی ویسی ہی مہیب اور ہولناک ہے جیسی یونان کے مشہور شاعر ہومر کے زمانے میں

تھی ' اور کبھی اُس کی تیغ خون آشام ھمیشہ کے لئے میان کی جاے گی تو تجارت ھی کی بدولت کی جاے گی - تجارت نے دنیا میں شایستگی کو پھیلایا ھے ' اُس نے تمام روے زمین پر انسان کی ضرورت اور آسایش کے لئے سامان برابر تقسیم کئے ھیں ' اُس نے علوم و فنون کی بیش قیمت اور مفید تحقیقاتوں اور ایجادوں کو رواج دیا ھے اور اس نے موجدوں کی طبیعت میں نئی نئی ایجاد و اختراع کی تحریک پیدا کی ھے - وہ علم اور دین کی اشاعت میں مدد دیتی ھے ' وہ اور ترقی ھمیشہ اور ھر جگہ لازم و ملزوم رھی ھیں —

انسان کی اندرونی قوی کی ترقی ' علوم و فنون کی ترقی ' عام معلومات کی ترقی ' اخلاق کی ترقی ' ضوابط و قوانین کی ترقی ' آزادی کی ترقی ' غرض کہ ھر طرح کی ترقی ھی ترقی اُس سے پیدا ھوی ھے - اُس نے ھمیشہ جس چیز کو جس درجے پر پایا ھے ' اُس سے جدا ھوتے وقت اس کو بلند تر سیڑھی پر چھوڑا ھے - وہ اول ایک ملک سے دوسرے ملک میں شایستگی کے لئے بطور طلایہ کے جاکر راستہ تیار کرتی اور پھر شایستگی کو اپنے ساتھہ لے کر وھاں پہنچتی ھے - اُس نے وحشیوں کو انسان بنایا ھے اور اُس نے عوام‌الناس اور امرا کو بادشاھی تک پہنچایا ھے - اُسی نے موروں کو اپنے عہد میں دنیا کا عقلمند بنایا تھا اور اُسی نے انگریزوں کو اکیلا بلا شریک غیر تمام ھندوستان کا وارث ٹھیرایا —

———
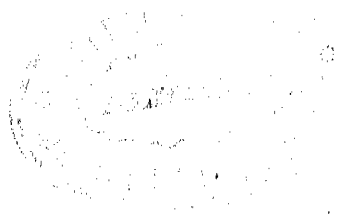
تعصب

از

ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر

انسان کی بدترین خصلتوں میں سے تعصب بڑی ایک بدترین خصلت ہے - یہ ایسی بد خصلت ہے کہ انسان کی تمام نیکیوں اور اس کی تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتی ہے - متعصب گو اپنی زبان سے نہ کہے مگر اس کا طریقہ یہ بات جتلاتا ہے کہ عدل و انصاف کی خصلت جو عمدہ ترین خصائل انسانی سے ہے اس میں نہیں ہے - متعصب اگر کسی غلطی میں پڑتا ہے تو اپنے تعصب کے سبب اس غلطی سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اس کا تعصب اس کے برخلاف بات کے سننے اور سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر وہ کسی غلطی میں نہیں ہے بلکہ سچی اور سیدھی راہ پر ہے تو اس کے فائدے اور اس کی نیکی کو پھیلنے اور عام ہونے نہیں دیتا کیوں کہ اس کے مخالفوں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کا موقع نہیں ملتا -

تعصب انسان کو ہزار طرح کی نیکیوں کے حاصل کرنے سے

باز رکھتا ہے - اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجھتا ہے مگر صرف تعصب سے اُس کو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانستہ برائی میں گرفتار اور بھلائی سے بیزار رہتا ہے —

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدنی‌الطبع پیدا ہوا ہے' وہ تنہا اپنی حوائج ضروری کو مہیا نہیں کرسکتا۔ اس کو ہمیشہ مددگاروں اور معاونوں کی جو دوستی اور محبت سے ہاتھ آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے مگر متعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منفرت اور بیزار رہتا ہے اور کسی کی دوستی اور محبت کی طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اس کے ہم رائے ہیں مائل نہیں ہوتا —

عقل اور قواعد قدرت کا مقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور متعلق تمدن و معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کی ہیں ان کو انسان اختیار کرے مگر متعصب ان سب نعمتوں سے محروم رہتا ہے —

ہنر اور فن اور علم ایسی عمدہ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو نہایت اعلیٰ درجے تک حاصل کرنا چاہئے مگر متعصب اپنی بد خصلت سے ہر ایک ہنر اور فن اور علم کے اعلیٰ درجے تک پہنچنے سے محروم رہتا ہے —

وہ ان عام دلچسپ اور مفید باتوں سے جو نئی تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل ہوتی ہیں محض جاہل اور نا واقف رہتا ہے' اس کی عقل اور دماغ کی قوت محض

بیکار ہو جاتی ہے اور جو کچھہ اس میں سمائی ہوئی ہے اس کے سوا اور کسی بات کے سمجھنے کی اس میں طاقت اور قوت نہیں رہتی، وہ ایک ایسے جانور کی مانند ہو جاتا ہے کہ اُس کو جو کچھہ بالطبع آتا ہے اس کے سوا اور کسی چیز کی تعلیم و تربیت کے قابل نہیں ہوتا —

بہت سی قومیں ہیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں، کیا اخلاق میں اور کیا علم و ہنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شایستگی میں اور کیا جاہ و حشمت اور مال و دولت میں اعلیٰ درجے سے نہایت پست درجۂ ذلت و خواری کو پہنچ گئی ہیں اور بہت سی قومیں ہیں جنھوں نے اپنی بے تعصبی سے ہر جگہ اور ہر قوم سے اچھی باتیں اخذ کیں اور ادنیٰ درجے سے ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر پہنچ گئیں —

مجھہ کو اپنے ملک کے بھائیوں پر اس بات کی بد گمانی ہے کہ وہ بھی تعصب کی بد خصلت میں گرفتار ہیں اور اِس سبب سے ہزاروں قسم کی بھلائیوں کے حاصل کرنے سے اور دنیا میں اپنے تئیں ایک معزز قوم کر دکھانے سے محروم اور ذلت و خواری اور بے علمی اور بے ہنری کی مصیبت میں گرفتار ہیں اور اسی لئے میری خواہش ہے کہ وہ اس بد خصلت سے نکلیں اور علم و فضل اور ہنر و کمال کے اعلیٰ درجے کی عزت تک پہنچیں —

تعصب خواہ دینی باتوں میں ہو یا دنیاوی باتوں میں، نہایت برا اور بہت سی خرابیوں کا پیدا کرنے والا ہے —

مغرور و متکبر ہو جانا اور اپنے ہم جنسوں کو سوائے چند کے نہایت حقیر و ذلیل سمجھنا متعصب کا خاصہ ہے —

اس کے اصول کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں سے سوائے چند کے کنارہ گزیں ہو مگر ایسا کر نہیں سکتا اور بہ مجبوری ہر ایک سے ملتا ہے اور اوپر کے دل سے ان کا ادب اور اپنی جھوٹی نیاز مندی بھی ظاہر کرتا ہے اور ایسا کرنے سے ایک اور بد خصلت نفاق اور کذب اور دغابازی اور فریب و مکاری کی اپنے میں پیدا کرتا ہے —

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے، جس نے خود ہی تمام کمالات اور تمام خوبیاں اور خوشیاں حاصل کی ہوں بلکہ ہمیشہ ایک قوم نے دوسری قوم سے فائدہ اُٹھایا ہے مگر متعصب شخص ان نعمتوں سے بدنصیب رہتا ہے —

علم میں اس کو ترقی نہیں ہوتی، ہنر و فن میں اس کو دستگاہ نہیں ہوتی، دنیا کے حالات سے وہ ناواقف رہتا ہے، عجائبات قدرت کے دیکھنے سے محروم رہتا ہے، حصول معاش اور دنیاوی عزت و تمول مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل و خوار اور حقیر و نا چیز ہوتا جاتا ہے —

اس کی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہے، جو اپنے ریوڑ میں ملا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کے اور ہم جنس کیا کر رہے ہیں؟ بلبل کیا چہچہاتی ہے اور قمری کیا غل مچاتی ہے، بیا کیا بن رہا ہے اور مکھی کیا چن رہی ہے؟ —

وہ بجز کورے پر کی گھاس چرنے کے اور کچھ نہیں جانتا

کہ باغ کیوں بنا ہے اور پھول کیوں کھلا ہے نرگس کیا دیکھتی ہے اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہے ؟ —

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جب تک وہ نہیں جاتا' کوئی ہنر و کمال اس میں نہیں آتا - تربیت و شایستگی' تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جب کہ وہ مذہبی غلط نما نیکی کے پردے میں ظہور کرتا ہے تو اور بھی سم قاتل ہوتا ہے - کیوں کہ مذہب سے اور تعصب سے کوئی تعلق نہیں ہے' انسان کے خراب و برباد کرنے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کرکے دکھلانا ہے —

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہ ہے کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بڑا منصف ہے اور سچا' سچائی کا پسند کرنے والا ہے' وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہے' وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہے - پس ہم کو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بری خصلت ہے چھوڑنا چاہئے - تمام بنی‌نوع انسان ہمارے بھائی ہیں - ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیر خواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہے' پس اسی کی ہم کو پیروی چاہئے —

الفاظ جن سے زبان کا کام چلتا ھے کیوں کر پیدا ھوے

از

(شمس العلما مولوی محمد حسین 'آزاد')

ایک گروہ کثیر ایک ھی دادا کی اولاد ھو - لیکن جب کنبہ کنبہ ایک ایک پہاڑی یا قطعہ قطعہ زمین پر الگ الگ بستے ھوں تو ضرور ھے کہ ضرورت وقت یا قدرتی اتفاق ان میں نئی چیزیں پیدا کریں ، اور ظاھر ھے کہ ھر مقام میں ایک ھی چیز کا جدا جدا نام پکارا جاے گا - کچھہ عرصے کے بعد ایک ھی چیز کے لئے مختلف مقاموں کے نام جمع کریں تو ھر چیز کے لئے کئی کئی نام ھوں گے - پھر جب کہ سلطنت کا امن یا باھمی ارتباط آمد و رفت کے رستے جال پھیلا ے - اور تعلیم و تربیت عام ھوجاے تو بہت سے نام خود بخود گر جائیں گے - اور ھر شے کے لئے ایک نام رہ جاے گا - وہ کبھی تو مناسبت کے سبب سے زیبا و برجستہ ھو گا اور کبھی جو بندھہ گیا وھی موتی - اُس وقت یہ ضرور ھے کہ ھر شے کو نام خاص سے پکارنے

کے لئے سب کا اتفاق ہو گا - اب اگر کوئی پوچھے کہ لفظ کیا شے ہے ؟ تو تم کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک زبانی تصویر ہے یا پتا نشان ہے کسی چیز کا ' یا فعل کا —

دنیا ہمیشہ ترقی کے راستے میں رواں ہے - کیسی ہی ابتدائی حالت ہو - شایستگی پھیلے جائے گی - علوم اور فنون کی دستکاری نئی چیزیں پیدا کرے گی - ابن دین جسے ترقی نے تجارت کا خطاب دیا ہے - ایک جگہہ کی چیزیں دوسری جگہہ پہنچا ئیں گے - اس سبب سے بڑی نئے الفاظ ہر جگہہ پیدا ہوں گے - اور ایک جگہہ سے دوسری جگہہ پہنچیں گے - کیوں کہ چیزیں اور کام نئے ہیں - دیکھہ لو ! یہی سبب ہے کہ دیہات میں الفاظ کم ہوتے ہیں - شہروں میں بہت - اور شہری الفاظ کی خوش آوازی ' خوش ادائی اور لطافت گاؤں والوں کو اپنی شاگردی پر مجبور اور مشتاق کرتی ہے' اسی کو خاص اور عام کا اتفاق کہتے ہیں - اور اس سے الفاظ اور اصطلا حیں پیدا ہوتی ہیں —

اب کوئی پوچھے کہ تقریر کیوں کر پیدا ہوی ؟ تم صاف کہہ دوگے کہ انسان میں جو چیخنے یا چلانے کی خاصیت ہے وہ باہمی ضرورتوں اور آپس کے برتاؤ سے اصلاح اور ترقی کرتے کرتے تقریر ہو گئی - اور رفتہ رفتہ یہ رتبہ پیدا کیا کہ جس طرح ایک مصور کامل کسی انسان یا باغ یا محل کا نقشہ کھینچ کر اُس کی کیفیت آنکھوں کے رستے سمجھاتا ہے - صاحب زبان اپنے مافی الضمیر اور حرکت اعضا کے مجموعے کو آواز کے رنگ میں' کانوں کے رستے سمجھاتا ہے - پس گویائی

گویا ایک عمدہ آلہ اداے خیال کا ہے ، لیکن ناسکمل - کیوں کہ کون سا قادرالکلام ہے جو دل کے خیال کو جوں کا توں پورا پورا اپنے لفظوں میں ادا کردے - عمدہ سے عمدہ کلام دل کے خیالات کی تصویر ہے لیکن ایسے پانی میں ہے جو گدلا ہے ، یا عکس ہے ایسے آئینے میں جو دھندلا ہے —

تم نے خیال کیا ؟ زبان یعنی تقریر گویا انسان کے دل ، انسان کی خواہش اور اُس کے حرکات اعضائی کا مجموعی خلاصہ ہے - اسی خیال سے زبان عرب کے ابتدائی محقق نے کہہ دیا کہ " الفاظ اپنے حروف ، اعراب اور آوازوں کے ذریعے سے خود بخود اپنے معنی بتلاتے ہیں " - مگر یہ راے عموماً درست نہیں - جمہور اہل لغت اس پر اعتراض کرتے ہیں ، اور کہتے ہیں " اگر یہی بات ہوتی تو ہر شخص ہر لفظ کے معنی سمجھتا ، بتانے اور لغت میں دیکھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی "- دوسرے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں ، جو باہم مخالف ہیں - اگر الفاظ بالطبع اپنے معنوں پر دلالت کرتے تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا - البتہ لفظ بھی بعض جگہہ اپنے معنوں پر آپ اشارہ کرتا ہے - دیکھو —

' درشت ' کو دیکھو - ' کرخت ' پر خیال کرو - سختی اور کھردرا پن نہیں پایا جاتا ؟

تیر کی ' ی ' کو مد کی کشش میں دیکھو - صاف نظر آتا ہے کہ کوئی تیز چیز تیز روی سے سیدھی چلی جاتی ہے —

' خم ' یا ' خنب ' بولنے میں بھی اپنی پھلاوٹ اور گلاوٹ کی تصویر دکھاتا ہے —

یورپ کے دانا کہتے ہیں کہ پہلے طبیعت کی تاثیر نے حالت کے مناسب آوازیں نکالی تھیں - پھر استعمال اور تہذیب نے انہی کو لفظ بنادیا . یہ راے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے —

' چہچہہ ' بلبل کی آواز مسلسل کا نام ہوا ' کو کو ' فاختہ کی آواز متواتر کا —

' غرش ' جانوروں کی خفگی کی آواز . ' قہقہہ ' انسان کی ہنسی —

' غوغا ' غلغلہ ' غلغل ' شور و غل انسان کا ہوا —

کوہستان ' خراسان و ایران کے کوّے دیکھے ' چیل سے ذرا چھوٹے ہوتے ہیں اور بولنے میں صاف کلغ کلغ آواز دیتے ہیں - کلاغ اُن کا نام ہوگیا - چغوک اُسی آواز کے سبب سے چڑے کا نام ہوا (یعنی چڑیا کا نر) —

تم ضرور کہو گے کہ اپنے رنگ ' آواز اور ادا کے انداز اور دل کی حالت کو ملا کر جو معنی چاہو پیدا کر لو - اصلی لفظ میں تو ہمیں کچھہ بھی نہیں معلوم ہو تا - یہ بھی درست ہے - لیکن میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ زبان انسان کی آواز دل اور اشارات اعضائی کا مجموعہ ہے - اس صورت میں کسی جز کو روکنا نہیں چاہئیے —

ولادت زبان کی بنیاد تم نے دیکھہ لی ؟ پہلے کچھہ اشارے تھے ' پھر کچھہ آوازیں ' پھر باہمی اتفاق سے کچھہ الفاظ آپس کے سمجھنے سمجھا نے کے لئیے مقرر ہوگئیے - پس جب آفرینش بڑھی اور آبادی پھیلی تب بھی واجب ہے کہ وہی الفاظ کام میں لائیں کہ سب کی سمجھہ میں آئیں اور عام فہمی کے سبب سے

انھیں سب سے پہلے کام میں لائیں —

زبان میں کسی کو اپنی طرف سے ایک لفظ بھی ایجاد کرنے کا اختیار نہیں ہے! یہ ہوسکتا ہے کہ میں شاد‌می کہوں اور اس کے معنی رکھوں آدمی۔ اسے شاید میرے نوکر چاکر یا دوست آشنا سمجھنے بھی لگیں مگر اور سب کب مانیں گے! اور مانیں کیا؟ اگر چند لفظ ایسے تصنیف کرلوں تو کوئی میری بات بھی نہ سمجھے گا —

اسی بنیاد پر عرب کے اہل تحقیق نے کہا ہے کہ لغت وہ ہے کہ جس پر جمہور کا اتفاق ہو۔ اصطلاح وہ ہے جس پر خاص گروہ کا اتفاق ہو۔ البتہ کوئی علمی مصنف یا صاحب ایجاد قادرالکلام شخص بھی الفاظ ایجاد کرسکتا ہے لیکن اُن کے قیام عمر کے لئے، اسے بھی جمہور کا حسن قبول حاصل کرنا پڑیگا —

عزیزان وطن! ولادت الفاظ اور آفرینش زبان کے خیالات مجملاً آپ کے تصور میں آگئے ہونگے۔ اب یہ سنئے کہ فلسفی زبان کا منصب کیا ہے؟ اس کا منصب ہے تقریر کے ہر لفظ کو کُریدنا جس سے کہ زبان مرکب ہے۔ اس سے شاید تم یہ سمجھے ہوگے کہ فلسفی زبان کو اکثر زبانوں کے لفظ اور معنی خوب آتے ہوں گے، وہ عبارت میں مبتدا، خبر، مضاف، مضاف الیہ، صلہ، موصول وغیرہ، وغیرہ کو خوب سمجھتا ہوگا۔ نہیں! یہ تو بہت ادنیٰ کام ہے۔ وہ لفظ کی اصل و نسل ولادت سے وقت موجود تک دریافت کرتا ہے۔ تم نے کسی نیارئے یا تیزابئے کو دیکھا ہے؟ جب ایک دھات کی ڈلی اُس کے ہاتھ میں آتی ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے اور جانچتا ہے کہ ایک مادہ ہے یا کئی

مادے گُتھے ہوے ہیں - تب کبھی تیزاب سے، کبھی آنچ کے
زور سے گلاکر اُن کا جوڑ جوڑ کُھول لیتا ہے کہ اس کی اصل
کہاں پہنچی ہے - اسی طرح ماہر زبان ایک لفظ کو لیتا ہے وہ
تیزاب یا آنچ کام میں نہیں لاتا ' فقط عقل کے تیزاب سے
حرفوں کے جوڑ بند کھولتا ہے - اور معنوں کو سوچ کر اس
کی ساری اصل نسل دریافت کرلیتا ہے —

میرے دوستو! تم حیران ہوگے کہ لفظ کی ولادت اور نسل
کیا؟ ہاں لفظ کی بھی ولادت اور نسل ہوتی ہے۔ اور وہ
اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ فلسفی لفظ کے جز جز کو الگ
کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وقت بوقت ان کی اصل کس کس
ملک اور کس کس قوم میں پہنچتی آئی ہے ' اُن میں کیا
رشتے ہیں' اور کیوں کر وہ رشتے پیدا ہوے ہیں' اور ملک
بہ ملک ان کے معنوں یا حرفوں میں کیا تغیر پیدا ہوے ہیں؟
پھر اور زبانوں کے لحاظ سے اپنی باتوں پر غور کرتا ہے -
اُن کے نتائج کو بھی جانچتا ہے - اور مطابقت اور مقابلہ کرتا
ہے - یعنی ایک زبان کے لفظ دوسری زبان سے کن کن باتوں
میں متفق ہیں اور کونسی باتیں ہیں کہ ایک ہی کے لئے
خاص ہیں - پھر ان سببوں کی جستجو کرتا ہے جو زبان میں
تبدیلی کا عمل کر رہے ہیں اور یہ غیر منقطع کام ہے' کبھی
ترقی کے رنگ میں ہوتا ہے' کبھی تنزل میں - مگر جاری
ہمیشہ رہتا ہے اور اسی کو زبان کی اصل نسل کہتے ہیں .
اب چند مثالیں توضیح مطلب کے لئے لکھتا ہوں - گریبان کو
فلسفی زبان نے دیکھا - بان پر جوڑ معلوم ہوا - اس نے گرے کو

دیکھا تو فارسی قدیم میں بمعنی گلو پایا۔ سمجھہ گیا کہ اس جزء لباس کا گلے پر قبضہ ہے۔ اس لئے اس کا نام گریبان رکھا ہوگا کہ مالک گُلو ہے۔ سنسکرت میں دیکھا تو وہاں گریو انہی معنوں میں آیا ہے۔ اور بان سنسکرت میں وان ہے۔ ثابت ہوگیا کہ ایک گھرانے کی نسل ہے۔ ملک اور مدت کے انقلاب سے آواز بدل گئی۔ یہاں مرگیا وہاں جیتا ہے —

کلابتوں کو سب پہنتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ فلسفی زبان اس کا بل کھولتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کلابہ، کلاوہ (سوت کا لچھا) آلتون ترکی میں سونے کو کہتے ہیں۔ وہی سنہرا لچھا ہوا —

نیلوفر کو بےخبر آدمی ایک گل خود رو سمجھےگا۔ فلسفی زبان دیکھے گا کہ نیلوپر، نیلو فل، نیلو پل، نیل پر، سب طرح مستعمل ہوا ہے۔ تب اِدھر اُدھر نظر دوڑاے گا۔ اُس وقت معلوم ہوگا کہ سنسکرت میں نیل، نیلا۔ اُت، پل، پنکھڑی ہے۔ یعنی نیلی پنکھڑی والا پھول۔ فارسی میں ادل بدل ہوکر کچھہ سے کچھہ ہوگیا —

'ناہار' اور 'نہار' ہندوستان میں بھی سب جانتے ہیں۔ فلسفی زبان نے دیکھا تو 'ن' پر جوڑ معلوم ہوا۔ اہار کو دیکھا تو فارسی بلکہ سنسکرت میں بھی بمعنی خورش آیا ہے۔ سمجھہ گیا کہ صبح سے جب تک کچھہ نہ کھایا ہو اُس وقت تک ناہار یا نہار ہے —

'خربزے' کو سونگھا تو بو آئی کہ مرکب ہے۔ 'خر' کو دیکھا

بمعنی کلاں بھی آتا ہے - بزہ کو دیکھا تو فارسی قدیم میں بمعنی ثمر ہے - سمجھہ گیا کہ بڑا پھل تھا - اس لئے خربزہ نام رکھا ہوگا - سنسکرت میں بھی بعینہ یہی دو جز اور یہی معنی ہیں —

میرے دوستو! تم دل میں کہتے ہوگے کہ اس توڑ جوڑ اور لفظوں کے رگ پٹھے چیرنے سے کیا فائدہ ؟ جب ہم ایک زبان سیکھتے ہیں تو اس میں بھی غرض ہوتی ہے کہ اور کی بات سمجھہ لیں ' اپنی بات سمجھاویں - اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ لفظوں کے معنی آگئے' عبارت کا مطلب معلوم ہوگیا ' والسلام - میں بھی کہتا ہوں بے شک - زبان سیکھنی ہو تو اس سے زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں - لیکن ذرا خیال کرکے دیکھو - جب تم کوئی شکل اقلیدس کی حل کرتے ہو' یا ایک حساب کے سوال کا جواب نکال لیتے ہو ' یا ایک بجھہ کوئی پہیلی بوجھتا ہے تو کیا خوشی ہوتی ہے! ہزاروں پھول' پھل' بوٹیاں' نباتات' جمادات ہیں ' اگر اُن کے مزے اور اصلی تاثیریں معلوم کرکے تمہیں خوشی حاصل ہوتی ہوگی تو لفظوں کی اصلیت دریافت کرکے بھی ضرور خوشی ہوگی - جن الفاظ کی توضیح میں نے بیان کی' انہیں سن کر کس کے دل کو فرحت نہیں ہوی ؟ البتہ بد مزہ' بے مغزے کہ الفاظ کو فقط منہ کی بھاپ یا پیٹ کا سانس سمجھتے ہیں' انہیں خبر بھی نہیں ہوتی' ہونٹ سے لفظ نکلے ہوا ہوگئے - اُن کے نزدیک کچھہ بات ہی نہیں —

الفاظ ظاہر میں ہوائی جنبشیں ہیں - لیکن حقیقت میں

مستقل چیزیں ھیں - تم ضرور پوچھوگے کہ الفاظ مستقل چیزیں کیونکر ھوسکتے ھیں؟ ھم کہتے ھیں کہ جب تمھیں کوئی چیز مثلاً چاقو یا قلم درکار ھوتا ھے اگر ایک لڑکے سے بھی کہتے ھو تو فوراً اُٹھا لاتا ھے، دور ھو یا پاس - حالانکہ تم نے فقط لفظ کہا تھا - چاقو یا قلم کی تصویر بناکر نہیں دی - دیکھو لفظ نے اُس کے دل پر اصل شے کا کام دیا —

تم لفظوں میں فقط اتنا ھی نہ سمجھو کہ برائے نام خاص خاص چیزوں پر اشارے کرتے ھیں - غور کروگے تو پاؤگے کہ وہ بھی اور چیزوں کی طرح پیدا ھوتے ھیں، ترقی و تنزل کرتے ھیں، سفر کرتے ھیں اور اُس میں طبیعت اور رنگ بدلتے ھیں اور مر بھی جاتے ھیں - اُن کے حالوں، چالوں اور انقلابوں کو دیکھوگے تو معلوم ھوگا کہ جس طرح قوموں کی تاریخیں اپنے حالات و مقالات سے کھلائے ھوئے دلوں کو شگفتہ کرتی ھیں، لفظوں کی تاریخیں اپنے لطف و خوبی کے ساتھہ اُس سے زیادہ دماغوں کو شاداب کرتی ھیں - اس سے زیادہ اور کیا فائدہ ھوگا کہ لفظوں ھی کے مقابلے اور مطابقت میں قوموں، نسلوں اور اُن کے خاندانی رشتوں کے سر رشتے نکل آئے —

الفاظ کے تغیر طبیعت اور اُن کے رنگ بدلنے پر تمھیں ضرور کھٹکا گزرے گا کہ اسما حقیقت میں اشیا کے نام ھیں - جب چیزیں نہیں بدلیں اور نام اُن کے بدل گئے تو الفاظ اور معانی میں عجب خلط ملط پیدا ھوگا - میرے دوستو! یہ تغیر ضرور ھوتے ھیں اور وہ قباحت نہیں پیدا ھوتی جس کا تمھیں

خطر ہے - دیکھو :

'جیب' عرب میں اول سینے کو اور دل کو بھی کہتے تھے - پھر گریبان کو کہنے لگے کہ سینے پر ہوتا ہے - بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ 'جوب' بمعنی قطع ہے ' گریبان کترا ہوتا ہے ' اس لئے اس کا نام جیب رکھا - عرب کے لوگ جبے یا کُرتے کے گریبان میں ایک تھیلی ٹانک کر اُس میں چیز رکھ لیا کرتے تھے ' مدت کے بعد اُسی کا نام جیب ہوگیا —

فارس میں وہ تھیلی گریبان سے ڈھلک کر کمر کے نیچے آگئی اور نام وہی جیب رہا - تماشا یہ کہ اب کوٹی کے شوقینوں نے چھاتی کے بائیں طرف جگہہ دی - اور کوٹ پتلون والوں نے کہیں کا کہیں پہنچا دیا ' پھر بھی وہی جیب ہے - اور عرب میں جیب وہی گریبان ہے —

جب عرب میں علم ریاضی کا چرچا اور علم مثلث کا یونانی سے ترجمہ ہوا تو جو خط کسی قوس یا اُس کے زاویہ کا اندازہ بتائے اُسے جیب کہنے لگے - کیونکہ وہ بھی قوس کے لئے ایسا ہے جیسے سینے کے لئے گریبان —

'شمع' عرب میں موم کو کہتے ہیں - پھر موم کی شمعیں بننے لگیں ' اِن کا نام بھی شمع ہی رہا - فارس میں آکر چربی کے قالب میں ڈھلیں - یہاں شمع عام ہوگئی - موم کی بتی ہو خواہ چربی کی - عرب میں شمع وہی موم ہے —

'اسباب' عربی میں جمع سبب کی ہے - فارسی میں اسباب خانہ داری کو کہتے ہیں —

' شراب' عرب میں پینے کو اور اُس چیز کو کہتے ہیں ' جو

پہنچے میں آے، فارس میں سرادت بادہ ہوگیا —

(۱) بعض الفاظ سفر کرکے آتے ہیں اور ملک غیر میں بے عزت ہوجاتے ہیں —

' غلام ' عرب میں نوخط لڑکے کو کہتے ہیں - فارسی میں لونڈی کا نر غلام —

' مہتر ' فارسی میں سردار کو کہتے ہیں - ہندوستان میں چوڑھا ہوگیا —

' خلیفہ ' کا رتبہ عرب میں نائب پیغمبر اور خلیفۂ الہی تک پہنچا ہوا ہے' ہندوستان میں نائی کو کہتے ہیں - اس زمانے میں لفظ ایجاد نہیں ہوتے - نئے خیالات کے ادا کرنے میں پرانے الفاظ مدد کرتے ہیں — مثلاً کبھی دو لفظ مرکب کرلیتے ہیں -

(۱) سیب زمینی آلو کو کہتے ہیں' یہ بعینہ ترجمہ ہے پوتےتو کا ' پس معلوم ہوا کہ فرانس کے رستے سے پہنچا ہے —

' آبجوش ' سوڈا واٹر کو کہتے ہیں - وغیرہ وغیرہ ہزاروں لفظ پیدا ہوگئے ہیں —

(۲) کبھی مشتق کرلیتے ہیں - وہاں بھی آب برف کوزوں میں جماتے ہیں' اُسے بستنی کہتے ہیں —

(۳) کبھی جوشے آتی ہے اپنا نام ساتھ لاتی ہے' مثلاً انجن' ریل ' چاپ ' چھاپے کا کام ہندوستان سے گیا - اسی واسطے یہ نام پایا —

(۴) علمی الفاظ اور علمی اصطلاحیں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں - اکثر زندہ رہتی ہیں اور کارروائی کرتی رہتی ہیں ' علم ہمیشہ ترقی کرتا ہے اور اصلاح پاتا ہے - اس لئے بعض

الفاظ جلد مرجاتے ھیں ، نئے پیدا ھوجاتے ھیں - آج سے ۳۰ برس پہلے کی ریاضی یا جغرافیے کی کتاب اُردو زبان میں دیکھو تو یہ تعجب جاتا رھیگا —

(۵) خوش ایجاد نام بھی اکثر کم عمر اور ناپائیدار ھوتے ھیں - محمود غزنوی جب ھندوستان میں آیا اور آم کھایا تو بہت بھایا ، مگر نام سن کر ھنسا اور کہا - سخت ستم ھے کہ ایسا لطیف میوہ اور نام میں یہ فحش ! اسے نغزک کہنا چاھئے کہ اسم با مسمیٰ ھو ، چنانچہ بعض فارسی کی کتابوں میں ' نغزک ' بعض میں ' انبہ ' لکھتے ھیں —

اکبر نے صدھا چیزوں کو ناموں کے خلعت دیے - کوئی باقی ھے ، کوئی پرانا ھوکر پوست گیا - ایک دن اصطبل خانے میں گھوڑوں کے دیکھنے کو آیا - ھلاک خور ٹوکرے بھر بھر کر کٹافتیں اُٹھا رھے تھے - فرمایا کہ بڑی محنت کی روٹی کھاتے ھیں - انھیں حلال خور کہنا چاھئے - آج تک وھی نام چلا آتا ھے —

' ھار ' کو کہا کہ سنگار کی چیز - اور مبارک چیز پر ھار کا نام آنا بد شگونی ھے ، اسے پھل مال کہاکرو - یہ سر سبز نہ ھوا -

اسی خیال سے گھوڑے کی ' اندھیری ' کا ' اُجیاری ' نام رکھا ، یہ پیش نہ گئی اور اس سے معلوم ھوتا ھے کہ جسے اب ھم ' اندھیری ' کہتے ھیں ، اُس وقت اسے بھی ' اندھیاری ' کہتے تھے —

' جہانگیر ' نے شراب کا نام ' رام رنگی ' رکھا مگر رنگ نہ جما -

' جمعرات ' کا نام ' مبارک شنبہ ' رکھا کہ جو خوشی ھمیں ھوتی ھے اکثر اسی دن ھوتی ھے - پیر کا نام ' گم شنبہ ' رکھا -

لکھتا ہے کہ مجھے جو غم یا فکر ہوتا ہے اسی دن ہوتا ہے' اس کا نام ایام ہفتہ سے گم ہونا چاہئے - محمد شاہ نے بلبل ہندوستان کا نام 'گلدم' رکھا تھا - اب تک اسی طرح چلا آتا ہے - رنگترے کو پہلے سنگترہ کہتے تھے - محمد شاہ نے کہا کہ اس لطیف میوے کو پتھر مارنا سخت ستم ہے - رنگترہ کہا کرو کہ خوش رنگ بھی ہے - تر و تازہ بھی ہے —

شاہ عالم نے 'سرخاب' کو 'گلسرہ' کہا' مگر شہرت نے نامنظور کیا - کنچر اور کنچری ہندی میں زن رقاصہ کو کہتے تھے - اکبر نے ایک دن خوش ہوکر کہا کہ انھیں 'کنچنی' کہا کرو —

نواب سعادت علی خاں نے 'ملائی' کا نام 'بالائی' رکھا - اہل لکھنؤ اب بھی 'بالائی' کہتے ہیں - اور شہروں میں شہرت نہ ہوی —

عزیزان وطن ! تم ضرور کہتے ہوگے کہ زبان کی عمر کیا ؟ اور اُس کی تاریخ کیا ؟ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں' عالم میں بہت سے ملک' بے شمار اہل ملک اور ہزاروں قومیں ہیں - اسی طرح زبانوں کا بھی عالم گروہ در گروہ سمجھو' کہ تھا اور ہے' اور ہوتا رہے گا - جس طرح قومیں بڑھیں' چڑھیں' ڈھلیں اور فنا ہوگئیں اور ہوں گی' اسی طرح زبانوں کا عالم ہے کہ اپنے الفاظ کے ساتھ آباد ہے' وہ اور اُس کے الفاظ پیدا ہوتے ہیں' ملک سے ملک میں سفر کرتے ہیں' حروف و حرکات اور معانی کے تغیر سے وضع بدلتے ہیں' بڑھتے ہیں' چڑھتے ہیں' ڈھلتے ہیں اور مر بھی جاتے ہیں -

——◁ ⌗ ▷——

" خواجہ الطاف حسین صاحب 'حالی' کے نام"

جناب مخدوم و مکرم من —

عنایت نامہ مع پانچ جلد مسدس پہونچے۔ جس وقت کتاب ہاتھہ میں آئی ' جب تک ختم نہ ہولی ہاتھہ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہولی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہوگئی - اگر مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے تو بالکل بجا ہے ۔ کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے - بیان سے باہر ہے ' تعجب ہو تا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ' جھوٹ ' تشبیہات دور از کار سے جو مایۂ ناز شعرا و شاعری ہے بالکل مبرا ہے - کیو نکر ایسی خوبی و خوش بیانی اور مؤثر طریقے پر ادا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے - حق ہے جو دل سے نکلتی ہے دل میں بیٹھتی ہے - نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے - پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اُڑا یا ہے یا ادا کیا ہے - میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اس کا شکر کرتا ہوں - اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں - اگر پرانی شاعری کی کچھہ بو

اُس میں پائی جاتی ہے تو صرف اُنہی الفاظ میں ہے جن میں میری طرف اشارہ ہے' بے شک میں اس کا محرک ہوا اور اُس کو میں اپنے اُن اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا' میں کہوں گا کہ 'حالی' سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں - خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے - مسجدوں کے اماموں کو چاہئے کہ نمازوں میں اور خطبوں میں اسی کے بند پڑھا کریں - آپ نے یہ نہیں ارقام فرمایا کہ کس قدر کتابیں چھپی ہیں اور کیا لاگت لگی ہے اور فی کتاب کیا قیمت مقرر کی ہے - نہایت جلد آپ ان جملہ امور سے مجھے مطلع فرمائیے - یہ بھی لکھئے کہ بعد تقسیم یا فروخت کس قدر کتابیں اب موجود ہیں -

آپ کے اس خیال کا کہ حق تصنیف مدرسۃالعلوم کو دیا جاوے اور رجسٹری کرا دی جاوے میں دل سے شکر کرتا ہوں مگر میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئینہ اور یا ان کے ماتم کا مرثیہ ہے' کسی قید سے مقید کیا جاوے - جس قدر چھپے اور جس قدر مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں طبلہ سارنگی پر گاویں' قوال درگاہوں میں گاویں' حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں' اُسی قدر مجھکو زیادہ خوشی ہوگی - میرا دل تو چاہتا ہے کہ دھلی میں ایک مجلس کروں' جس میں تمام اشراف ہوں اور رنڈیاں نچواؤں مگر وہ رنڈیاں بھی مسدس گاتی ہوں - میں اس کُل مسدس کو تہذیب الاخلاق میں چھاپوں گا - میرے اُن استفسار کا جواب

جن پر نشان درج کردیا ہے بہت جلد مرحمت ہو - والسلام -

خاکسار آپ کا احسانمند تابعدار

سید احمد

شملہ ، پارک ہوٹل ، ۱۰ جون سنہ۹ ۱۸۷ ع

(۱) نامۂ غالب

(میر مہدی 'مجروح' مرزا 'غالب' کے بہت عزیز شاگرد تھے - دہلی کے رہنے والے تھے - ان کا کلام بہت صاف پاک ہے - یہاں مرزا صاحب اور میر مجروح دونوں کی خط و کتابت لکھی جاتی ہے - یہ خط بہت دلچسپ ہیں)

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں ، دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے - قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع بازار مسجد جامع کا، ہر ہفتے سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا ، یہ پانچوں باتیں اب نہیں - پھر کہو دلی کہاں ، ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا - نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے - دیکھئے کہاں اُترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں - آگے کے دربار میں سات سات جاگیردار تھے کہ اُن کا الگ الگ دربار ہوتا تھا - جھجر، بہادر گڈھ، بلب گڈھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوھارو - چار معدوم محض ہیں ، جو باقی رہے اُس میں سے

دوجانہ و لوہارو تحت حکومت ہانسی ، حصار پاٹودی حاضر۔ اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئیں تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس ۔ دربار عام والے، مہاجن لوگ ، سب موجود ۔ اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں ۔ میرٹھ میں مصطفیٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدرالدین خاں ، بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد ۔ تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم ۔ شعر:

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گُلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ ، جاں نثار خاں کے چتھے کی سڑک، خان چند کے کوچے کی سڑک دیکھ جاؤ ۔ بلاقی بیگم کے کوچے کا ڈھینا ، جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ ۔ ' غالب' افسردہ دل کو دیکھ جاؤ چلے جاؤ ۔ مجتہدالعصر میر سرفراز حسین کو دعا ، حکیم الملک میر اشرف‌علی کو دعا ، قطب‌الملک میر نصیرالدین کو دعا یوسف ہند میر افضل علی کو دعا —

غالب

(۲) جواب مجروح

قبلہ و کعبہ ! آداب بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں ۔ حضرت اتوار نہیں ہوتا نہ ہو، پھول والوں کی سیر موقوف ہوگئی، بلا سے، کنڈری نہیں جمتی، چاندنی چوک کی وہ

گرمی بازار نہ رہی نہ سہی - اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، دلی کی ہستی تو آپ کی ذات پر منحصر ہے - جب آپ کو دیکھ لیا سب کو دیکھ لیا - اگر غم ہے تو اس کا ہے اور گردش روزگار سے شکوہ ہے تو یہ ہے کہ آپ کی قدمبوسی سے محروم رکھا اور ملاقات ہر روزہ سے مایوس کیا - نہ کسی کی صحبت خوش آئے نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہے - ہر روز وہی ہنگامے پیش نظر رہتے ہیں اور وہی یاران جلسہ آنکھوں میں پھرتے ہیں - ادھر یوسف مرزا غل مچاتے ہیں - اُدھر سے یار عزیز چلے آتے ہیں، کسی کونے میں اسد برج کھڑے ہیں، کسی گوشے میں میاں موش خاموش بیٹھے ہیں - بڑھیا کے پتر کچھ اُلجھ اُلجھ کے سبق پڑھ رہے ہیں - اِدھر اُدھر کے لوگ آئے ہوئے اطراف و جوانب کی خبر کہہ رہے ہیں - میر احمد حسین 'میکش' شوخی و ظرافت میں لبریز گفتگوے بین بین میں سرگرم، کسی کے چھیڑنے کے لئے نئی نئی تمہیدیں اُٹھاتے ہیں، کسی کو صاحب و قبلہ کہہ کے پاس بٹھاتے ہیں، کیوں حضرت! وہ بھی کیا زمانہ تھا اور کیا خوب بسر ہوتی تھی - ہر روز ہنسنے بولنے کا ہنگامہ گرم، نہ کوئی اندیشہ نہ کوئی غم، اب ان مزوں کا یہ بدلہ ہے کہ ہر ایک کی صورت دیکھنے کو ترستے ہیں اور ہر ایک کی جدائی میں بن آئی مرتے ہیں - نہ یہ امید کہ پھر ایک جگہ مل بیٹھیں گے، نہ یہ توقع کہ پھر ان صورتوں کو دیکھیں گے - اب سیر و تماشہ کی آرزو کسے، اور وہ دل و دماغ کہاں - ایسا زمانے نے خاک میں نہیں ملا یا کہ پھر ہنسنے بولنے کی امید ہو -

تیرے بیخود جو ہیں سو کیا چیتیں
ایسے ڈوبے کہیں اُچھلتے ہیں

خدا شاہد ہے کہ پہروں اسی فکر میں پڑا رہتا ہوں کہ پھر
بھی وہ دن ہوگا کہ ایک جگہہ چار ہم صورت اکٹھے ہوں کہ
یہ چند روز حیات کے اگر بفراغت نہیں تو بغم ہی بسر ہوں
مگر کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی اللہ مسبب الاسباب ہے اگر
کوئی سبب نکالے تو کیا عجب ہے - خیر حضرت یہ رونا تو
تمام عمر کا ہے اب عرض یہ ہے کہ نواب گورنر آنے والے ہیں کچھہ
آپ کے مقدمہ کی سلسلہ جنبانی ہوئی پنشن ملنے کی صورت
نکلی یہ عقدہ لاینحل بھی کبھی حل ہوگا یا میری خاطر کی
طرح منعقد رہے گا - میر اشرف علی اور میر نصیرالدین اپنے اپنے
القابوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور تسلیم بصد تعظیم بجالاتے
ہیں - سواے میرن صاحب کے انھوں نے اپنے خطاب سے بہت
آنکھہ بھوں چڑائی اور کہا کہ جناب میرزا صاحب قبلہ بھی
انھیں پرانی تشابیہ مستعملہ کا استعمال رکھتے ہیں جس کی
سیکڑوں نے اپنے دوست آشناوں کو نسبت دی ہے پھر میری
خصوصیت کیا ہے اور اس پر بھی ذرا یوسف ہند اگر یوسف
زمانہ یا یوسف کشور لکھتے تو بھی مضائقہ نہ تھا - فقط
زیادہ حد ادب

فدوی سید مہدی مجروح از دھلی

(۳) نامۂ غالب

میر مہدی! جیتے رہو آفریں صد ہزار آفریں! اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھکو رشک آنے لگا' سنو! دلی کے تمام مال و متاع و زرو گو ہر کی لوٹ پنجاب احاطے میں گئی ہے - یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی' سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا ' میں نے اس کو بحل کیا' اللہ برکت دے - میری پنشن اور ولایت کے انعام کا حال کماحقہ سمجھہ لو ' " وللرحمان الطاف خفیہ" - ایک طرز خاص پر تحریک ہوئی ' سررشتے کی پابندی ضرور ہے' نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے فلاں شخص کی پنشن کے کُل چڑھے ہوے روپے ایک مشت پانے کی اور آیندہ ماہ بماہ روپیہ ملنے کی رپوٹ منگوا کر ' اپنی منظوری لکھہ کر ' ہمارے پاس بھیج دو تا کہ ہم حکم منظوری دے کر تمہارے پاس بھیج دیں - یہاں اس کی تعمیل فوراً بہ طرز مناسب ہو گئی ' کم و بیش دو مہینے میں روپیہ سب مل جاے گا - اور ہاں صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو سو روپے خزانے سے منگوا لو ' میں نے کہا صاحب! یہ کیسی بات کہ اوروں کو برس برس دن کا روپیہ ملا اور مجھے سو روپیہ دلواتے ہو - فرمایا کہ تم کو اب چند روز میں سب روپیہ اور اجرا کا حکم مل جاے گا اوروں کو یہ بات شاید برسوں میں میسر آے گی - میں چپ ہو رہا - آج دوشنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے -

دوپہر ہوجائے تو اپنا آدمی معہ رسید بھیج کر سو روپیہ منگالوں - پر یارو ولایت کے انعام کی توقع خدا ہی سے ہے ' حکم تو اسی حکم کے ساتھہ اس کی رپوٹ کرنے کا بھی آیا ھے مگر یہ بھی حکم ھے کہ اپنی رائے لکھو ' اب دیکھئے یہ دو حاکم یعنی حاکم دھلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ھیں - حاکم پنجاب کو گورنر بہادر کا یہ بھی حکم ھے کہ دستنبو منگا کر اور تم دیکھکر ھمکو لکھو کہ وہ کیسی ھے اور اس میں کیا لکھا ھے - چنانچہ حاکم دھلی نے ایک کتاب مجھہ سے بھی کہکر مانگی اور میں نے دیدی' اب دیکھوں حاکم پنجاب کیا لکھتا ھے' اس وقت تمھارا ایک خط اور یوسف میرزا کا ایک خط آیا - مجکو جو باتیں کرنے کا مزا ملا تو دونوں کا جواب ابھی لکھہ کر روانہ کیا' اب میں روٹی کھانے جاتا ھوں - میرن صاحب' میر سرفراز حسین' میر نصیرالدین کو دعا —

' غالب '

(۴) جواب مجروح

قبلہ و کعبہ! آداب بجالاتاھوں-بھلا حضرت آپ یہ کیا فرماتے ھیں' آپ کے طرز پر لکھہ سکھوں' توبہ استغفراللہ —

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مہر عالم افروز کے سامنے ذرۂ ناچیز کی کیا نمود ' اور بحر بیکراں کے روبرو قطرۂ تنگ ظرف کا کیا وجود - یہ دعوی

میاں 'ظہوری' کریں ' یہ اندیشہ نظیری کو آوے' میں بیچارہ کس حساب میں ہوں' اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات منبع کمالات کو اس فن میں یکتا پیدا کیا ہے - ہاں اگر دو چار برس قدموں میں پڑا رہوں اور فضل و کمال کی طرح دروازے پر حاضر رہوں تو البتہ کچھہ راہ پر آجاؤں ' سو یہ چرخ تفرقہ پرداز کب کسی کو اپنی مراد پر پہنچاتا ہے اور کب چاہتا ہے کہ دو آدمی حسب دلخواہ ایک جگھہ مل بیٹھیں - کچھہ اِن دنوں میں آپ ہی آپ جی گھبراتا ہے اور شوق قدمبوسی یہ ولولہ افگن ہے کہ چل اور خاک قدم کو صندل پیشانی کر ' اگر حضرت یہی صورت ہے تو دو چار دن میں حاضر ہوتا ہوں اور اختصاص قدمبوسی پاتا ہوں- زیادہ حد ادب —

میر مہدی

(۵) نامہ 'غالب'

جان غالب '- تمہارا خط پہنچا - غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے —

ہر ایک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبے کا ہوگیا ہے - اے اے میر مہدی تجھے یہ کہتے شرم نہیں آتی :—

میاں یہ اہل دہلی کی زباں ہے

اہل دہلی یا ہندو ہیں' یا اہل حرفہ ہیں' یا خاکی ہیں'

یا پنجابی ہیں، یا گورے ہیں - ان میں سے تو کس کی تعریف کرتا ہے - لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا، ریاست تو جاتی رہی باقی ہرفن کے کامل لوگ موجود ہیں - سنو خس کی ٹٹی پر ہوا اب کہاں، وہ لطف تو اُسی مکان میں تھا - اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ جہت اور سمت بدلی ہوی ہے - بہر حال سی گزرد - مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کُنواں بند ہوگیا - لال ڈگی کے کُنوئیں یکقلم کھاری ہو گئے، خیر کھاری ہی پانی پیتیے، گرم پانی نکلتا ہے - پرسوں میں سوار ہوکر کُنووں کا حال دریافت کرنے گیا تھا، مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازے تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے - اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں، وہ اگر اُٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جاے - یاد کرو میرزا گوہر کے باغچے کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا، اب وہ باغچے کے صحن کے برابر ہوگیا، یہاں تک کہ راجہ گھاٹ دروازہ بند ہوگیا، فصیل کے کنگورے کُھلے رہے ہیں، باقی سب اٹ گیا - کشمیری دروازے کا حال تم دیکھہ گئے ہو، اب کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازے تک ایک میدان ہوگیا - پنجابی کٹرہ، دھوبی واڑہ، رامجی داس گنج، سعادت‌خاں کا کٹرہ، جرنیل کی بی‌بی کی حویلی، رامجی‌داس گوداموالے کے مکانات، صاحبرام کا باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا - قصد مختصر شہر صحرا ہوگیا تھا - اب جو کُنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہوگیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہوجاے گا - اللہ اللہ دہلی نہ رہی اور دلّی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں، واہ‌رے حسن‌اعتقاد

ارے بندۂ خدا! اُردو بازار نہ رہا اُردو کہاں- دلی واللہ اب شہر نہیں کمپ ہے' چھاؤنی ہے' نہ قلعہ' نہ شہر نہ بازار' نہ نہر' رہے نام اللہ کا - الور کا حال کچھہ اور ہے' مجھے اور انقلاب سے کیا کام' الگزنڈر ہیڈرلی کا کوئی خط نہیں آیا' ظاہرا اُن کی مصاحبت نہیں ورنہ مجھہ کو ضرور خط لکھتا رہتا - میر سرفراز حسین اور میر نصیرالدین اور میرن صاحب کو دعا —

(۶) جواب مجروح

قبلہ و کعبہ! آداب بجا لاتا ہوں - بھلا حضرت مجھے کیوں شرم آئے' اگر شرم آئے تو رجب علی 'سرور' کو آئے جس نے وہ لات و گزاف کیا ہے کہ جیسا لکھنؤ ہے ویسا کوئی شہر ہی نہیں' ان سے کہنا چاہئے کہ اورے مرد خدا خدا سے ڈر' لکھنؤ کس بادشاہ کا دارالخلا فہ رہا ہے ' کونسی تاریخ میں وہاں کے لوگوں کی خوش بیانی کا حال لکھا ہوا ہے ' ماہیت تو اس کی یہ ہی ہے نا کہ مضافات صوبۂ اودہ میں کا ایک شہر ہے' یہ دلی سے کیونکر مقابلہ کریگا کہ اگر پانسو برس کی تصنیفات دیکھو گے اس میں سے یہی لکھا پاؤگے :—

حضرت دہلی کنف عدل داد
جنت عدن ست کہ آباد و باد

اُس پر یہ غرہ کہ جو یہاں کی زبان ہے وہ کہیں کی نہیں ' باوجودیکہ تفاخراً یہ شعر 'ناسخ' نے لکھا ہے :—

سن چکے ہیں خوب اردوے معلی کی زبان
سالہا صحبت رہی ہے ہم کو 'ناسخ' 'میر' سے

اور یہ بات ظاہر ہے کہ 'میر' دلی کے تھے مگر افسوس کہ اُن کے پیرو اس بات پر خیال نہیں کرتے - اے حضرت میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ کو وہاں کی کونسی ایسی بات پسند آئی کہ ایسی طرفداری فرمائی - قطع نظر زبان سے' تراش و خراش لباس بھی وہاں کی نرالی ہے - واہ ری دلی تیرے قربان! کیا حد اوسط پر سب کا عمل تھا کہ سب چیز افراط و تفریط سے مائل بحدوسط تھی - کیوں ہو "خیر الامور اوسطہا" پر سب کا عمل تھا - بھلا حضرت یہ کیا آپ فرماتے ہیں کہ وہاں سب طرح کے اہل کمال موجود ہیں - بھلا دلی سے بھی زیادہ کہیں اہل کمال ہوں گے - میاں امیر کے برابر لکھنؤ میں کونسا خوشنویس تھا - حضرت غالب کی سی نظم و نثر کس کی - امام الدین خاں سا حکیم' مولانا صدرالدین خاں سا عالم' محمد اعظم سا مصور' بدرالدین خاں سا مہر کند کہاں ہے - دستنبو کی طرح نواب گورنر بہادر نے کس کی تصنیف طلب کی - بدرالدین خاں کے مانند ملکۂ معظمہ کی مہر کُھد نے لکھنؤ میں کون سے مہر کند کے پاس آئی - خانم کے بازار کے وہ کاریگر جنہوں نے انگریزی اسباب بھل ڈالا اور نہ کسی کو معلوم ہوا یہ لوگ کہاں - گو دلی اب اُجڑ گئی اور سارا شہر برباد ہوگیا' مگر اس شہر سے جس کی تعریف میں پہلے ہی میر حسن صاحب مثنوی یہ فرماگئے ہیں بہتر ہی ہے —

زبس یہ شہر ہے بیہڑ پہ بستا
کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا

کسی کا آسماں پر گھر ہوا میں
کسی کا جھونپڑا تحت الثریٰ میں
سیہ گِل سے گلی یوں تر رہے ہے
بغل جس طرح حبشی کی بہے ہے

اگر دلی کی شہوریت اور خوش قطعی کی تعریف کروں تو ایک کتاب بن جاے، خط سمجھہ کو موقوف کیا ــــ

میر مہدی 'مجروح'

(۷) نامۂ مجروح

قبلہ و کعبہ سلامت -

بعد گزارش آداب عرض رسا ہوں - حضرت نیام بے شمشیر، کمان بے تیر، چشم بے تنویر، نغمۂ بے تحریر، قالب بے جان، یعنی آپ کا بے خط کا عنوان پہنچا - جس قدر لفافۂ سربستہ دیکھہ کر دل کھلا تھا اتنا ھی کھول کر دل بند ہوا - اِدھر تنتولا اُدھر تنتولا کچھہ نہیں - خط اصلا کو الٹا پلٹا شاید کہیں ایک دو سطریں لکھی ہوں وہ بھی ندارد - یا اللہ یہ کیسا خط کہ خط ھے اور خط نہیں - معلوم ہوا کہ یہ ظاہری لفافہ ھے اندر کچھہ نہیں، یہ صورت حاصل معنی نہیں - میرن صاحب کہتے ہیں جناب میرزا صاحب کا خط دکھاؤ - میر اشرف علی کہتے ہیں مطالب سناؤ - جن کو اردو کا شوق ھے اِن سے کہتا ہوں فارسی خط ھے کیا مزا اُٹھاؤگے،

جو فارسی کے خواہاں ہیں اُن سے کہتا ہوں اُردو ہے، دیکھ کے کیا نفع پاؤگے - واہ واہ حضرت خوب ہنسی کی ، اب یہ فرمائیے کہ آپ نے واقعی میں خط نہیں لکھا یا لفافے میں رکھنا فراموش کیا؟ شق اول آپ کے الطاف بزرگانہ سے بعید ہے کہ اتنی مدت کے بعد میرا عریضہ جاے اور ایسا شخص اُس کے جواب میں دریغ فرماے - اور شق ثانی میں امید وار منتظر اور دو نوازش نامہ سمجھئے اور جلد ارسال کیجئے - زیادہ اور کیا سمع خراشی کروں —

فدوی میر مہدی 'مجروح'

(۸) جواب غالب

برخوردار کامگار میر مہدی —

قطعہ تم نے دیکھا، سچ مچ مہرا حلیہ ہے - واہ اب کیا شاعری رہ گئی ہے ، جس وقت وہاں بھیجنے کے واسطے لکھا، ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں، لڑکوں نے ستایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے، ہمیں بھوک لگی ہے - تین خط اور لکھے دھرے رکھے تھے، میں نے کہا اب خط کیوں لکھوں - اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر ٹکٹ لگا سرنامہ لکھ کلیان کے حوالے کر گھر میں چلا گیا - اور ہاں ایک چھیڑ بھی تھی کہ دیکھوں میرا میر مہدی خفا ہو کر کیا باتیں بناتا ہے سو وہی ہوا - تم نے جلے پھپولے پھوڑے - لو اب بتاؤ خط لکھنے بیٹھا ہوں کیا لکھوں - یہاں کا حال زبانی

میرن صاحب کی سن لیا ہوگا - بے اصل باتیں ہیں ' پنشن کا مقدمہ کلکتے میں نواب گورنر جنرل بہادر کے پیش نظر ہے ' یہاں کے حاکم نے اگر ایک روبکاری لکھہ کر اپنے دفتر میں رکھہ چھوڑی میرا اُس میں کیا ضرر - یہاں تک لکھہ چکا تھا کہ دو ایک آدمی آگئے ' دن بھی تھوڑا رہ گیا ' میں نے بکس بند کیا ' باہر تختوں پر آ بیٹھا ' شام ہوی چراغ روشن ہوا ' میر احمد حسین سرھانے کی طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں ' میں پلنگ پر لیٹا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمان علم و یقین سید نصیرالدین آیا' ایک کوڑا ھاتھہ میں اور ایک آدمی ساتھہ : اُس کے سر پر ایک ٹوکرا' اُس پر گھانس ہری بچھی ہوئی - میں نے کہا اھا ھا ھا سلطان العلما مولانا سرفراز حسین دھلوی نے دوبارہ رسد بھیجی ہے - بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے یہ کچھہ اور ہے ' فیض خاص نہیں لطف عام ہے' یعنی شراب نہیں آم ہے - خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے ' بلکہ نعم البدل ہے - ایک ایک آم کو ایک ایک سر بمہر گلاس سمجھا' لکور سے بھرا ہوا مگر' واہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ پینستھہ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے - میاں کہتا تھا کہ یہ اسی تھے' پندرہ بگڑ گئے ' بلکہ سڑ گئے - تا اُن کی برائی اوروں میں سرایت نہ کرے' ٹوکرے میں سے پھینک دیے - میں نے کہا بھائی یہ کیا کم ہیں - مگر میں تمھاری تکلیف و تکلف سے خوش نہیں ہوا - تمھارے پاس روپیہ کہاں جو تم نے آم خریدے - خانہ آباد دولت زیادہ ـــ

لکور کے معنی تم نہ سمجھے ہوگے ' ایک انگریزی شراب

ہوتی ہے، قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسا قند کا قوام پتلا، دیکھو اس لغت کے معنی کسی فرہنگ میں نہ پاؤگے - ہاں فرہنگ سروری میں ہوں تو ہوں - مجتہدالعصر کو اور حکیم میر اشرف علی کو دعا کہہ دینا - میرن صاحب پوچھیں تو کہنا تمہیں کچھ نہیں لکھا —

'غالب'

بنام مولوی منشی حبیب اللہ خان
ذکا تخلص

رکھیو (غالب) مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور!

پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوست قدیم میر مکرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی معلوم نہیں - مرزا حاتم علی صاحب 'مہر' کی جناب میں میرا سلام کہنا اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا :—

شرط اسلام بود ورزش ایماں بالغیب
اے تو غائب ز نظر، مہر تو ایمان من است

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا، کہ اس کے دو دن

یا تین دن بعد دوسرا خط پہنچا - سنو صاحب، جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو اور وہ اس میں بے تکلف عمر بسر کرے اس کا نام عیش ہے - تمھاری توجہ مفرط بطرف شعر و سخن۔ تمھاری شرافت نفس اور حسن طبع کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمھاری سخن گستری ہے، اُس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے - میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوے اشعار سب بھول گیا - مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے، سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے :-

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری 'غالب'

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں، ع :

اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں، جو دکھ مجھ کو ہے اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں - انگریز کی قوم میں سے جو اِن روسیاہ کالوں کے ہاتھ قتل ہوے، اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد - ہندوستانیوں میں کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ معشوق، سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے، ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت

ہوتا ہے، جو اتنے عزیزوں کا ماتم ہو اس کو زیست کیوں کر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔"انا للہ و انا الیہ راجعون"—

بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

بہت سہے غم گیتی شراب کم کیا ہے
غلام ساقی کوثر ہوں مجکو غم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

علاقۂ محبت ازلی کو برحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کوسچ جان کر ایک بات اور کہتا ہوں کہ بینائی اگر چہ سبکو عزیز ہے مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے، مانا کہ روشنائی اُس کے اجارے میں آئی ہے یہ بھی دلیل آشنائی ہے، کیا فرض ہے کہ جب تک دید وادید نہ ہولے اپنے کو بیگانۂ یک دگر سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں اگر سمجھیں۔ سلام کے جواب میں خط بہت بڑا احسان ہے۔ خدا کرے خط جس میں میں نے آپ کو سلام لکھا تھا آپ کی نظر سے گزر گیا ہو احیاناً اگر نہ دیکھا ہو تو اب مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجئیے گا اور خط کے لکھنے کے احسان کو اس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجئیے گا۔ ہائے میجر جان جاکوب کیا جوان مارا گیا ہے۔ سچ اس کا یہ شیوہ تھا کہ اردو کے

فکر کو مانع آتا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلواتا۔ یہ بھی انہیں میں ہے کہ جن کا میں ماتمی ہوں۔ ہزارہا دوست مرگئے، کس کو یاد کروں اور کس سے فریاد کروں۔ جیوں تو کوئی غمخوار نہیں، مروں تو کوئی عزادار نہیں۔ غزلیں آپ کی دیکھیں۔ سبحان اللہ۔ چشم بد دور۔ اُردو کی راہ کے تو سالک ہو، گویا اس زبان کے مالک ہو۔ فارسی بھی خوبی میں کم نہیں مشق شرط ہے اگر کہے جاؤ گے لطف پاؤگے۔ میرا تو گویا بقول طالب آملی اب یہ حال ہے :—

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود، بہ شد

جب آپ نے بغیر خط کے بھیجے خط مجھ کو لکھا ہو تو کیوں کر مجھ کو اپنے خط کے جواب کی نہ تہنا ہو۔ پہلے تو اپنا حال لکھئے کہ میں نے سنا تھا آپ کہیں کے صدر امین ہیں پھر اکبرآباد میں کیوں خانہ نشین ہیں، اس ہنگامے میں آپ کی صحبت حکام سے کیسی رہی۔ راجہ بلوان سنگھ کا بھی حال لکھنا ضرور ہے کہ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار روپیہ مہینہ جو ان کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا اب بھی ملتا ہے یا نہیں ہائے لکھنؤ کچھ نہیں کھلتا کہ اُس بہارستان پر کیا گذری، اموال کیا ہوے، اشخاص کہاں گئے، خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام کیا ہوا، قبلہ و کعبہ حضرت مجتہدالعصر کی سرگذشت کیا ہے، گمان کرتا ہوں کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ آگہی ہوگی، امیدوار ہوں کہ جو آپ پر معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے، پھر مسکن مبارک کا کشمیری بازار سے

زیادہ نہیں معلوم، ظاہرا اسی قدر کافی ہوگا ورنہ آپ زیادہ لکھتے - مرزا تفتہ کو دعا کہئے گا اور ان کے اس خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجئے گا، جس میں آپ کے خط کی انھوں نے فوید لکھی تھی، والسلام —

مولانا حالی کا خط

(مولوی عبدالحق صاحب بی-اے آنریری سکریٹری
انجمن ترقی اردو کے نام)

مکرمی و شفیقی! سلمہم اللہ تعالیٰ —

آپ کا کارڈ اور خط دونوں پہنچے، خدا کا شکر ہے کہ کان‌پور سے کتابیں پہنچ گئیں، امید ہے کہ کلکتے سے درجۂ اول کی کتابیں بھی عنقریب پہنچیں گی، جس وقت وہاں سے کتابیں آجائیں ایک کارڈ اطلاعی از راہ عنایت بھیج دیجئے گا —

امید ہے کہ آپ کی طبیعت اب اعتدال پر آگئی ہوگی، مگر قولنج کا مرض جو دور از حال آپ کو لاحق ہوا تھا، یہ ایک ایسا مرض ہے کہ اس سے افاقہ ہونے کے بعد بھی غافل نہ رہنا چاہئے اور ایسی تدابیر کرنی چاہئیں اور کھانے پینے میں ایسی احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کی بیخ کنی ہوجائے اور پھر اس کا دورہ نہ پڑے، غالباً میرن صاحب حیدرآباد سے روانہ ہوگئے ہوں گے، ان کو مولوی سید علی حسن صاحب کے چلے آنے سے سخت صدمہ پہنچا ہے اور ظاہرا حیدرآباد میں یہ ان کا آخری

پھیرا تھا.........آپ مہربانی کرکے ایک ایک جلد درجۂ دویم کی مولانا شبلی اور مولوی عزیز مرزا صاحب کی نذر کردیجئے گا؛ نواب عمادالملک بہادر کو علحدہ کتاب دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ سرشتۂ تعلیمات میں جس قدر کتابیں جائیں گی وہ سب ان کے قبضے میں ہیں —

شاید آپ کو معلوم نہ ہو، اس کتاب کی تیاری میں اس قدر روپیہ صرف ہوگیا ہے کہ اگر کل کتابیں فروخت ہوجائیں تو بھی امید نہیں کہ اصل لاگت وصول ہو، مگر میں خوش ہوں کہ ایک بہت بڑے قرض سے جو تمام قوم کے ذمے تھا، کسی قدر سبکدوشی ہوگئی ہے، میرا ارادہ تھا کہ مولوی سید علی حسن صاحب کی معرفت نواب مدارالمہام بہادر کی خدمت میں ایک نسخہ بطریق نذر پیش کیا جاتا اور یہ درخواست کی جاتی کہ اس کی کچھ زائد جلدیں معمولی تعداد کے علاوہ سرکارعالی میں خرید کی جائیں سو وہ موقع تو اب ہاتھ سے جاتارہا......
.... میں ہرگز یہ خیال نہیں کرتا کہ میں نے اس عجیب و غریب شخص کی بائیو گرافی لکھنے کا پورا پورا حق ادا کردیا ہے، بلکہ مجھے اپنی کمزوریاں اور لغزشیں بخوبی معلوم ہیں اور میں علی‌الاعلان اقرار کرتا ہوں کہ مجھ سے اس بائیو گرافی کا حق ادا نہیں ہوسکا، لیکن میں نے اپنی طرف سے کوشش کرنے میں کمی نہیں کی اور چھ برس تک اس کام کے سوا دوسری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ کسی متنفس نے قلم سے یا درم سے براہ راست اس کام میں مجھے

مدد نہیں دی (الاماشاء اللہ) پس اگرچہ یہ کام فی نفسہ کچھہ قدر کے لائق نہ ہو مگر اس لحاظ سے کہ میں نے اس کے سر انجام کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کی ہے ضرور توجہ کے لائق ہے —

اگر بریاں کند بہرام گورے
نہ چوں پاے ملخ باشد ز مورے

میں اس موقع پر آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں ' جب میں نے مسدس مد و جزر اسلام کا پہلا ایڈیشن نکالا ' اور اس کی ایک جلد سر سید مرحوم کے پاس بھیجی تو بغیر اس کے کہ میں نے اس مرحوم سے کوئی درخواست کی ہو فوراً مجھہ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی کتنی جلدیں چھپوائی ہیں- میں نے جواب لکھہ بھیجا ' انھوں نے اُسی وقت ایک فہرست اپنے احباب کی مجھے لکھہ کر بھیجی کہ اتنی جلدیں فلاں دوست اور اتنی فلاں کو ' اتنی وہاں اور اتنی وہاں بھیجدو اور اپنے دوستوں کو لکھہ بھیجا کہ کتابیں پہنچتے ہی قیمت مصنف کے پاس بھیجدیجئے ' چنانچہ مہینہ ڈیڑھ مہینے میں جس قدر جلدیں چھپوائی تھیں سب فروخت ہوگئیں اور دوسرا ایڈیشن چھپوانے کی ضرورت ہوئی - افسوس ہے کہ یہ خیالات وہ شخص اپنے ساتھہ لے گیا اب ان کے بڑے بڑے ذی مقدور دوست اس بات کے متوقع ہیں کہ ان کی جناب میں کتابیں مفت نذر کی جائیں ' بعضے قیمت بہت گراں بتاتے ہیں اور یہ تو کسی سے بھی امید نہیں کہ مصنف کی محنت کی کچھہ داد دی جاے یا کچھہ قدر کی جاے —

سوختیم و سوزش ما بر کسے ظاهر نشد
چوں چراغان شب مہتاب بے جاسوختیم

خاکسار الطاف حسین، حالی

مولانا شبلی کا خط

ایم مہدی حسن صاحب کے نام

پایہ فزائے من!

مدت ہوئی البشیر میں قاموس‌الاسلام کے عنوان سے ایک مضمون دیکھا، نیچے مہدی حسن کے دستخط تھے، حیرت ہوئی کہ یہ وہی مرزا پوری دوست ہیں، یا نظیر احمد و آزاد کی دو روحوں نے ایک قالب اختیار کیا ہے، کئی دن تک دیکھتا اور احباب کو دکھلاتا رہا —

دو تین ہفتے ہوئے، وہی برق ایک اور اُفق پر چمکی، اس سے زیادہ ہوش‌ربا اور خیرہ کن تھی، مصمم ارادہ ہوا کہ اب کی ضرور مبارکباد لکھوں، لیکن حیدرآباد کی مصائب آمیز زندگی کسی دلی جوش کے اظہار کا موقع کہاں دیتی ہے، غرض وہ چوٹ زخم کا چور بن کر دل میں رہ گئی، آج آپ کا بھیجا ہوا البشیر پہنچا اور وہ چوٹ اُبھر آئی، زیادہ کیا کہوں، خدا آپ کو، آپ کے دست و قلم کو، آپ کی صنعتگری طبع کو قائم رکھے، بخدا مجھ کو خوشی سے زیادہ آپ پررشک ہوتا ہے، کبھی کبھی خط بھی لکھا کیجئے —

میں الغزالی لکھ چکا، اور مطبع میں جاچکی، علم کلام کی تاریخ بھی ختم ہوچکی، اب جدید علم کلام پر لکھ رہا ہوں، یہ دونوں حصے ساتھ چھپیں گے، اگر یہاں اطمینان سے رہنا پیش آتا تو بڑے بڑے کام انجام پاتے، لیکن ہر وقت رکاب میں پاؤں ہے، جو گھڑی ٹلتی جاتی ہے، اسی پر حیرت ہے۔ مولوی سید علی صاحب پرسوں میرے پاس تشریف لائے تھے، ۲۲ مارچ کو ولایت جاتے ہیں — ع

دوستاں رفتند و من هم میروم

شبلی

حیدرآباد ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۰۱ ع

انتخاب از مسدس 'حالی'

(اهل یورپ کی ہمدردی)

سمجھتے ہیں گمراہ جن کو مسلماں نہیں جن کو عقبیٰ میں امید غفراں
نہ حصے میں فردوس جن کے نہ رضواں نہ تقدیر میں حور جن کے نہ غلماں
پس از مرگ دوزخ ٹھکانا ہے جن کا
حمیم آب و زقوم کھانا ہے جن کا

وہ ملک اور ملت پہ اپنی فدا ہیں سب آپس میں اک اک کے حاجت روا ہیں
الوالعلم ہیں ان میں یا اغنیا ہیں طلبگار بہبود خلق خدا ہیں
یہ تمغا تھا گویا کہ حصہ انہیں کا
کہ حب الوطن ہے نشاں مومنیں کا

امیروں کی دولت، غریبوں کی ہمت ادیبوں کی انشا، حکیموں کی حکمت
فصیحوں کے خطبے، شجاعوں کی جرأت سپاہی کے ہتھیار، شاہوں کی طاقت
دلوں کی امیدیں، اُمنگوں کی خوشیاں
سب اہل وطن، اور وطن پر ہیں قرباں

عروج اُن کا جو تم عیاں دیکھتے ہو جہاں میں اُنہیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع اُن کا سارا جہاں دیکھتے ہو اُنہیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں اُن کی جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

(تعصب)

تعصب کہ ہے دشمن نوع انساں بھرے گھر کئے سیکڑوں جس نے ویراں
ہوئی بزم نمرود جس سے پریشاں کیا جس نے فرعون کو نذر طوفاں
گیا جوش میں بولہب جس کے کھویا
ابو جہل کا جس نے بیڑا ڈبویا

وہ یہاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے چھپا جس کے پردے میں اُس کا ضرر ہے
بھرا زہر جس جام میں سر بسر ہے وہ آب بقا ہم کو آتا نظر ہے
تعصب کو اک جزو دیں سمجھے ہیں ہم
جہنم کو خلد بریں سمجھے ہیں ہم

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے
مخالف کی ریس اُس میں کرنی بری ہے نشاں غیرت دین حق کا یہی ہے
نہ ٹھیک اُس کی ہرگز کوئی بات سمجھو
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو

قدم گر وہ راستی پر اُس کا پاؤ تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ
پڑیں اُس میں جو دقتیں وہ اُٹھاؤ لگیں جس قدر ٹھوکریں اُس میں کھاؤ
جو نکلے جہاز اُس کا بچکر بھنور سے
تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے

اگر مسخ ہو جائے صورت تمہاری بہائم میں مل جائے سیرت تمہاری
بدل جائے بالکل طبیعت تمہاری سراسر بگڑ جائے حالت تمہاری
تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی
ہے اک جلوۂ نور ایمان یہ بھی

نہ اوضاع میں تم سے نسبت کسی کو نہ اخلاق میں تم پہ سبقت کسی کو

نہ حاصل یہ کھانوں میں لذت کسیکو نہ پودا یہ پوشش یہ زینت کسیکو

تمھیں فضل ہر علم میں پر ملا ہے
تمھاری جہالت میں بھی اک ادا ہے

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بری تم رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جب کہ اسلام کی تم تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم

بدی سے نہیں مؤمنوں کو مضرت
تمھارے گنہ اور نہ اوروں کی طاعت

مخالف کا اپنے اگر نام لیجے تو ذکر اُس کا ذلت سے خواری سے کیجے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجے قیامت کو دیکھو گے اس کے نتیجے

گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرا
مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرا

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو اُلفت نہ نعمانی اور شافعی میں ہو ملت
وھابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت مقلد کرے نا مقلد پہ لعنت

رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ تو شیطان سے اُس کو سمجھو زیادہ
جسے ایسے مفسد سے ہے استفادہ رہ حق سے ہے پر طرف اُس کا جادہ

شریعت کو کرتے ہیں برباد دونوں
ہیں مردود شاگرد و استاد دونوں

(شرفا کی اولاد)

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے تباہ اُن کی حالت بری ان کی گت ہے
کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہے کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے

چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی

سدا گرم انکار ہے ان کی صحبت — ہر اک رند و اوباش سے اُن کی ملت
پڑھے لکھوں کے سایے سے اُن کو وحشت — مدارس سے تعلیم سے اُن کو نفرت

کمینوں کے جرگے میں عمریں گنوانی
اُنھیں کا اماں دینی اور آپ کھانی

نہ علمی مدارس میں ہیں آن پاتے — نہ شایستہ جلسوں میں ہیں آتے جاتے
یہ میلوں کی رونق ہیں جاکر بڑھاتے — پڑے پھرتے ہیں دیکھتے اور دکھاتے

کتاب اور معلم سے پھرتے ہیں بھاگے
مگر ناچ گانے میں ہیں سب سے آگے

اگر کچھ اُن پاک شہدوں کی گنتی — ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی
ملی خاک میں جن سے عزت بڑوں کی — مٹی خاندانوں کی جن سے بزرگی

تو یہ جس قدر خانہ برباد ہوں گے
وہ سب ان شریفوں کی اولاد ہوں گے

ہوئی اُنکی بچپن میں یوں پاسبانی — کہ قیدی کی جیسے کٹے زندگانی
لگی ہونے جب کچھ سمجھ بوجھ سیانی — چڑھی بھوت کی طرح سر پر جوانی

بس اب گھر میں دشوار تھمنا ہے اُن کا
اکھاڑوں میں تکیوں میں رہنا ہے اُن کا

نشے میں مئے عشق کے چور ہیں وہ — صف فوج مژگاں میں محصور ہیں وہ
غم چشم و ابرو میں رنجور ہیں وہ — بہت ہاتھ سے دل کے مجبور ہیں وہ

کریں کیا کہ ہے عشق طینت میں اُن کی
حرارت بھری ہے طبیعت میں اُن کی

اگر شش جہت میں کوئی دلربا ہے — تو دل اُن کا نادیدہ اُس پر فدا ہے
اگر خواب میں کچھ نظر آگیا ہے — تو یاد اُس کی دن رات نام خدا ہے

بھری سب کی وحشت سے روداد ہے یہاں
جسے دیکھئے قیس و فرہاد ہے یہاں

اگر ماں ہے دکھیا تو اُن کی بلا سے   اپاہج ہے باوا تو اُن کی بلا سے
جو ہے گھر میں فاقا تو اُن کی بلا سے   جو مرتا ہے کنبا تو اُن کی بلا سے
جنہوں نے لگائی ہو لو دلربا سے
غرض پھر انہیں کیا رہی ما سوا سے

نہ گالی سے، دشنام سے، جی چرائیں   نہ جوتی سے، پیزار سے، ہچکچائیں
جو میلوں میں جائیں تو لچپن دکھائیں   جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اُٹھائیں
لرزتے ہیں اوباش اُن کی ہنسی سے
گریزاں ہیں رند اُن کی ہمسائگی سے

سپوتوں کو اپنے اگر بیاہ دیجے   تو بہوؤں کا بوجھ اپنی گردن پہ لیجے
جو بیٹی کے پیوند کی فکر کیجے   تو بد راہ ہیں بھانجے اور بھتیجے
یہی جھینکنا کوبکو گھر بہ گھر ہے
بہو کا ٹھکانا، نہ بیٹی کو بر ہے

نہ مطلب نگاری کا اُن کو سلیقہ   نہ دربار داری کا اُن کو سلیقہ
نہ امید واری کا اُن کو سلیقہ   نہ خدمت گذاری کا اُن کو سلیقہ
قلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے

نہیں ملتی روٹی جنہیں پیٹ بھر کے   وہ گذران کرتے ہیں سو عیب کر کے
جو ہیں اُن میں دو چار آسودہ گھر کے   تو دن رات خواہاں ہیں مرگ پدر کے
نمونے یہ اعیان و اشراف کے ہیں
سلف اُن کے وہ تھے، خلف اُن کے یہ ہیں

وہ اسلام کی پود شاید یہی ہے   کہ جس کی طرف آنکھ سبکی لگی ہے
بہت جس سے آئندہ چشم بہی ہے   بقا منحصر جس پہ اسلام کی ہے
یہی جان ڈالینگی باغ کہن میں؟
اسی سے بہار آئے گی اس چمن میں؟

یہی ہیں وہ نسلوں مبارک ہماری؟ کہ بخشیں گی جو دین کو استواری؟
کریں گی یہی قوم کی غم گساری انہیں پر امیدیں ہیں موقوف ساری
یہی شمع اسلام روشن کریں گی
بڑوں کا بھی نام روشن کریں گی

خلف اُن کے الحق اگر یہاں یہی ہیں سلف کے اگر فاتحہ خواں یہی ہیں
اگر یادگار عزیزاں یہی ہیں اگر نسل اشراف و اعیاں یہی ہیں
تو یاد اس قدر اُن کی رہ جائے گی یہاں
کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یہاں

(محنت پسندی)

مگر بیٹھ رہنے سے چلنا ہے بہتر کہ ہے اہل ہمت کا اللہ یاور
جو ٹھنڈک میں چلنا نہ آیا میسر تو پہنچیں گے ہم دھوپ کھا کھا کے سر پر
یہ تکلیف و راحت ہے سب اتفاقی
چلو اب بھی ہے وقت چلنے کا باقی

ہوا کچھ وہی جس نے یہاں کچھ کیا ہے لیا جس نے پھل بیج بوکر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے
یونہیں وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اٹھاتے

یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری جہاں دیکھئے فیض اسی کا ہے جاری
یہی ہے کلید در فضل باری اسی پر ہے موقوف عزت تمہاری
اسی سے ہے قوموں کی یہاں آبرو سب
اسی پر ہیں مغرور میں اور تو سب

گلستاں میں جو بن گل و یاسمن کا سماں زلف سنبل کی تاب و شکن کا

قد دلربا سرو اور ناروں کا رخ جاں فزا لالۂ و نسترن کا
غریبوں کی محنت کی ہے رنگ و بوسب
کسانوں کے خوں سے ہیں یہ تازہ رو سب

ہلاتے نہ اگلے اگر دست و بازو جہاں عطر حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو نہ حق پھیلتا ربع مسکوں میں ہرسو
حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

ستارہ شریعت کا تاباں نہ ہوتا اثر علم دیں کا نمایاں نہ ہوتا
جدا کفر سے نور ایماں نہ ہوتا مساجد میں یوں ورد قرآں نہ ہوتا
خدا کی ثنا معبدوں میں نہ ہوتی
اذاں جا بجا مسجدوں میں نہ ہوتی

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا کہ ارکان دیں بھی اسی پر ہیں برپا
جنہیں ہو نہ دنیائے فانی کی پروا کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا
نہیں ہلتے دنیا کی خاطر اگر تم
تو لو دین حق کی ہی اُٹھہ کر خبر تم

(شرافت محنت)

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے شرف جس سے نوع بشر کو ملا ہے
سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے سب اس باغ کی جن سے نشو و نما ہے
ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر
بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ مہلت طلب وہ لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ بہت جگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ
وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

چلیں گر نہ وہ ہوں کھنڈر کاخ و ایواں　　پھریں گر نہ وہ شاہ و کشور ہوں عریاں
جو بوئیں نہ وہ تو ہوں جاندار بے جاں　　جو چھانٹیں نہ وہ تو ہوں جنگل گلستاں

یہ چلتی ہے گاڑی انہیں کے سہارے
جو وہ کل سے بیٹھیں تو بیکل ہوں سارے

کھپاتے ہیں کوشش میں تاب و تواں کو　　گھلاتے ہیں محنت میں جسم و رواں کو
سمجھتے نہیں اس میں جاں اپنی جاں کو　　وہ مر مر کے رکھتے ہیں زندہ جہاں کو

بس اس طرح جینا عبادت ہے اُن کی
اور اس دھن میں مرنا شہادت ہے اُن کی

مشقت میں عمر ان کی کٹتی ہے ساری　　نہیں آتی آرام کی اُن کے باری
سدا بھاگ دوڑ اُن کی رہتی ہے جاری　　نہ آندھی میں عاجز نہ مینہ میں ہیں عاری

نہ لو، جیٹھ کی دم تراتی ہے اُن کا
نہ ٹھر ماہ کی جی چھڑاتی ہے اُن کا

نہ احباب کی تیغ احساں سے گھائل　　نہ بیٹے سے طالب، نہ بھائی سے سائل
نہ دکھ درد میں سوئے آرام مائل　　نہ دریا و کوہ اُن کے رستے میں حائل

ہوئے ہوں کبھی رستم و سام جیسے
غیور اب بھی لاکھوں ہیں گمنام ویسے

کسی کو یہ دھن ہے کہ جو کچھ کمائیں　　کھلائیں کچھ اوروں کو، کچھ آپ کھائیں
کسی کو یہ کد ہے کہ جھیلیں بلائیں　　یہ احساں کسی کا نہ ہرگز اُٹھائیں

کوئی محو ہے فکر فرزند و زن میں
کوئی چور ہے حب اہل وطن میں

جو مصروف ہے کشتکاری میں کوئی　　تو مشغول دوکانداری میں کوئی
عزیزوں کی ہے غمگساری میں کوئی　　ضعیفوں کی خدمت گذاری میں کوئی

یہ ہے اپنی راحت کے ساماں کرتا
وہ کنبے پہ ہے جان قربان کرتا

کوئی اس تگ و دو میں رہتا ہے ہردم　کہ دولت جہاں تک ہو کیجے فراہم
رہیں جیتے جی تاکہ خود شاد و خرم　مریں جب تو دل پر نہ لیجائیں یہ غم
کہ بعد اپنے کھائیں گے فرزند و زن کیا
لباس اُن کا اور اپنا ہوگا کفن کیا

بہت دل میں اپنے یہ رکھتے ہیں ارماں　کہ کر جائیں یہاں کوئی کار نمایاں
وہ ہوں تاکہ جب چشم عالم سے پنہاں　تو ذکر جمیل اُن کا باقی رہے یہاں
یہی طالب شہرت و نام لاکھوں
بناتے ہیں جمہور کے کام لاکھوں

(غمخواری بنی نوع انسان)

بہت مخلص اور پاک بندے خدا کے　نشاں جن سے قائم ہیں صدق و صفا کے
نہ شہرت کے خواہاں نہ طالب ثنا کے　نمائش سے بیزار دشمن ریا کے
ریاضت سب اُن کی خدا کے لئے ہے
مشقت سب اُن کی رضا کے لئے ہے

کوئی ان میں ہے حق کی طاعت پہ مفتوں　کوئی نام حق کی اشاعت پہ مفتوں
کوئی زہد و صبر و قناعت پہ مفتوں　کوئی پند و وعظ جماعت پہ مفتوں
کوئی موج سے آپ کو ہے بچاتا
کوئی ناؤ ہے ڈوبتوں کی تراتا

بہت نوع انساں کے غمخوار و یاور　ہوا خواہ ملت، بد اندیش کشور
شدائد کے دریائے خوں میں شناور　جہاں کی پر آشوب کشتی کے لنگر
ہر اک قوم کی ہست و بود اُنسے ہے یہاں
سب اس انجمن کی نمود اُنسے ہے، یہاں

کسی پر ہو سختی، مصیبت ہے ان پر　کسی کو ہو غم، رنج و کلفت ہے ان پر

کہیں ہو فلاکت مصیبت ہے ان پر   کہیں آئی آفت قیامت ہے ان پر

کسی پر چلیں تیر آماج یہ ہیں

لٹے کوئی رہ گیر تاراج یہ ہیں

یہ ہیں حشر تک بات پر اڑنیوالے   یہ پہساں کو میٹھوں سے ہیں جوتنیوالے

یہ فوج حوادث سے ہیں لڑنیوالے   یہ شیروں کی ہیں اگ سے ہیں پڑنیوالے

اُمڈتا ہے رکنے سے اور ان کا دریا

جنوں سے زیادہ ہے کچھ ان کا سودا

جماتے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ   بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ

گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ   جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ

مہم بن گئے سر نہیں بیٹھتے یہ

جب اُٹھتے ہیں اُٹھکر نہیں بیٹھتے یہ

خدا نے عطا کی ہے جو ان کو قوت   سمائی ہے دل میں بہت اس کی عظمت

نہیں پھیرتی اُن کا سلہ کوئی زحمت   نہیں کرتی زیر اُن کو کوئی صعوبت

بھروسے پہ اپنے دل و دست و پا کے

سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

نہیں مرحلہ کوئی دشوار اُن کو   ہر اک راہ ملتی ہے ہموار اُن کو

گلستاں ہے صحرائے پر خار اُن کو   برابر ہے میدان و کہسار اُن کو

نہیں حائل اُن کے کوئی رہگذر میں

سمندر ہے پایاب اُن کی نظر میں

اسی طرح یہاں اہل ہمت ہیں جتنے   کمر بستہ ہیں کام پر اپنے اپنے

جہاں کی ہے سب دھوم دھام اُن کے دم سے   فقیر اور غنی سب طفیلی ہیں اُن کے

بغیر اُن کے بے ساز و ساماں تھی مجلس

نہ ہوتے اگر یہ تو ویران تھی مجلس

زمیں سب خدا کی ہے گلزار انہیں سے زمانے کا ہے گرم بازار انہیں سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انہیں سے کھلے ہیں خدائی کے اسرار انہیں سے

انہیں پر ہے کچھ فخر ہے گر کسی کو
انہیں سے ہے گر ہے شرف آدمی کو

انہیں سے ہے آباد ہر ملک و دولت انہیں سے ہے سرسبز ہر قوم و ملت
انہیں پر ہے موقوف قوموں کی عزت انہیں کی ہے سب ربع مسکون میں برکت

دم ان کا ہے دنیا میں رحمت خدا کی
انہیں کو ہے پہنچی خلافت خدا کی

انہیں کا اجالا ہے ہر رہگذر میں انہیں کی ہے یہ روشنی دشت و در میں
انہیں کا ظہور ہے سب خشک و تر میں انہیں کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں

انہیں سے ہے رتبہ یہ آدم نے پایا
کہ سر اس سے روحانیوں نے جھکایا

ہر اک ملک میں خیر و برکت ہے ان سے ہر اک قوم کی شان و شوکت ہے ان سے
نجابت ہے ان سے، شرافت ہے ان سے شرف ان سے، فخر ان سے، عزت ہے ان سے

جفاکش بنو گر ہو عزت کے خواہاں
کہ عزت کا ہے بھید ذلت میں پنہاں

مشقت کی ذلت جنہوں نے اٹھائی جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی فضیلت نہ عزت نہ فرمانروائی

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

حکومت ملی ان کو صفار تھے جو امامت کو پہنچے وہ قصار تھے جو
وہ قطب زماں تھہرے عطار تھے جو بنے مرجع خلق نجار تھے جو

ابوالفضل یہاں اٹھے سراج کتنے
ابوالوقت ہو گزرے حلاج کتنے

نہ بو نصر تھا نوع میں ہم سے بالا　نہ تھا بو علی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا　ہوئے اس لئے صاحب قدر والا

اگر فکر کسب ہنر تم کو بھی ہو
تمھیں پھر ابو نصر اور بو علی ہو

(استقلال)

یہ اک خار کش صبر و ہمت میں کامل　یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ جن سختیوں کا اٹھانا ہے مشکل　وہی ہیں کچھ اے دل اٹھانیکے قابل

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا　تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اٹھانا　ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا

زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے　جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے　کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

تمھیں اپنی مشکل کو آساں کروگے　تمھیں درد کا اپنے درماں کروگے
تمھیں اپنی منزل کا ساماں کروگے　کروگے تمھیں کچھ اگر یہاں کروگے

چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

چپ کی داد

مولوی الطاف حسین صاحب ' حالی '

(پہلا بند)

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھیں! قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں! شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں! دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن - تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو - عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں - ایماں سلامت تم سے ہے
فطرت تمھاری ہے حیا - طینت میں ہے مہرو وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا - انساں عبارت تم سے ہے
مردوں میں ست والے تھے جو ست بیٹھے اپنا کب کا کھو
دنیا میں اے ستونتیو - لے دے کے اب ست تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم - غم خوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب - گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی - ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی - عسرت میں عشرت تم سے ہے
آتی ہو اکثر بے طلب - دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی یہاں - گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

(دوسرا بند)

میکے میں سارے گھر کی تھیں - گو مالک و مختار تم
پر سارے کنبے کی رہیں - بچپن سے خدمت گار تم
ماں باپ کے حکموں پہ پتلی کی طرح پھرتی رہیں
غم خوار باپوں کی رہیں - ماؤں کی تابع دار تم
دن بھر پکانا ، ریندھنا - سینا ، پرونا ، کاتنا
بیٹھیں نہ گھر پر باپ کے - خالی کبھی زنہار تم
راتوں کو چھوٹے بھائی بہنوں کی خبر اُٹھ اُٹھ کے لی
بچہ کوئی سوتے میں رویا - اور ہوئیں بیدار تم
سسرال میں پہنچیں تو وہاں - اک دوسرا دیکھا جہاں
جا اُتریں گویا دیس سے - پردیس میں اک بار تم
وہاں فکر تھی ہردم یہی - ناخوش نہ ہو تم سے کوئی
اپنے سے رنجش کے کبھی - پاؤ نہ وہاں آثار تم
بدلے نہ شوہر کی نظر - سسرے کا دل میلا نہ ہو
آنکھوں میں ساس اور نند کی - کھٹکو نہ مثل خار تم
پالا بروں سے گر پڑے - بد خو ہوں سب چھوٹے بڑے
چتون پہ میل آنے نہ دو - گو دل میں ہو بیزار تم
غم کو غلط کرتی رہو - سسرال میں ہنس بول کر
شربت کے گھونٹوں کی طرح پیتی رہو خون جگر

(تیسرا بند)

شادی کے بعد ایک کو تھی آرزو اولاد کی
تم پھنس گئیں جنجال میں۔ خالق نے جب اولاد دی
دردوں کے دکھ تم نے سہے۔ جاپے کی جھیلیں سختیاں
جب موت کا چکھا مزا۔ تب تم کو یہ دولت ملی
میکے میں اور سسرال میں۔ سب کے ہوئے دل باغ باغ
گھر میں اُجالا تو ہوا۔ پر تم پہ بپتا پڑ گئی
کھانا، پہننا، اوڑھنا۔ اپنا گئیں سب بھول تم
بچوں کے دھندے میں تھیں۔ اپنی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
تب تک بھی سمجھو خیر تھی۔ جب تک بھلے چنگے تھے سب
پر سامنا آفت کا تھا۔ گر ہوگیا ماندہ کوئی
سولی پہ دن کٹنے لگے۔ راتوں کی نیندیں اُڑ گئیں
ایک ایک برس کی ہوگئی۔ ایک ایک پل ایک ایک گھڑی
بچوں کی سیوا میں تھیں۔ گذرے ہیں جیسے دس برس
قدر اس کی جانے گا وہی۔ دم پر ہو یوں جس کے بنی
کی ہے مہم جو تم نے سر۔ مردوں کو کیا اس کی خبر
جانے پرائی پیر وہ۔ جس کی بوائی ہو پھٹی
تھا پالنا اولاد کا۔ مردوں کے بوتے سے سوا
آخر یہ اے دکھیاریو۔ خدمت تمھارے سر پڑی
پیدا اگر ہوتیں نہ تم۔ بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اُٹھتے دو دن میں۔ اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

(چوتھا بند)

ایتیں خبر اولاد کی۔ مائیں نہ گر چھٹپن میں یہاں
خالی کبھی کا نسل سے۔ آدم کی ہوجاتا جہاں
یہ گوشت کا ایک لوتھڑا۔ پروان چڑھتا کس طرح
چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں
وہ دین اور دنیا کے مصلح جن کے وعظ و پند سے
ظلمت میں باطل کی ہوا دنیا پہ نور حق عیاں
وہ علم اور حکمت کے بانی۔ جن کی تحقیقات سے
ظاہر ہوے عالم میں اسرار زمین و آسماں
وہ شاہ کشورگیر اسکندر۔ کہ جس کی دھاک سے
تھے بید کی مانند لرزاں۔ تاجداران جہاں
وہ فخر شاہان عجم کسریٰ۔ کہ جس کے عدل کی
مشرق سے تا مغرب۔ زبانوں پر ہے جاری داستاں
کیا پھول پھل یہ سب اُنھیں کمزور پودوں کے نہ تھے
سینچا تھا ماؤں نے جنھیں۔ خون جگر سے اپنے یہاں
کیا صوفیان با صفا۔ کیا عارفان با خدا
کیا انبیا، کیا اولیا، کیا غوث، کیا قطب زماں
سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے
وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں اوپر کو چڑھے

(پانچواں بند)

افسوس! دنیا میں بہت تم پر ہوے جوروجفا
حق تلفیاں تم نے سہیں۔ بے مہریاں جھیلیں سدا

اکثر تمہارے قتل پر - قوموں نے باندھی ہے کمر

دیں تاکہ تم کو یک قلم - خرد اور ہستی سے مٹا

کاٹی گئیں تم مدتوں - مٹی میں جیتی جاگتی

حامی تمہارا تھا نہ یاور کوئی جز ذات خدا

زندہ سدا جلتی رہیں - تم مردہ خاوندوں کے ساتھ

اور چین سے عالم رہا یہ سب تماشے دیکھتا

بیاہی گئیں اس وقت تم - جب بیاہ سے واقف نہ تھیں

جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچے تاگے سے بندھا

بیاہا تمہیں ماں باپ نے - اے بے زبانو! اس طرح

جیسے کسی تقصیر پر - مجرم کو دیتے ہیں سزا

گذری امید و بیم میں - جب تک رہا باقی سہاگ

بیوہ ہوئیں تو عمر بھر - پھر چین قسمت میں نہ تھا

تم سخت پر سخت امتحاں دیتی رہیں پر رائگاں

کیں تم نے جانیں تک فدا - کہلائیں لیکن بے وفا

گو صبر کا اپنے نہ کچھ - تم کو ملا انعام یہاں

پر جو فرشتے سے نہ ہو' وہ کر گئیں تم کام یہاں

(چھٹا بند)

کی تم نے اس دارالمحن میں جس تحمل سے بسر

زیبا ہے گر کہئے تمہیں - فخر بنی نوع بشر

جو سنگ دل سفاک پیاسے تھے تمہارے خون کے

اُن کی تو ہیں بے رحمیاں - مشہور عالم میں مگر

تم نے تو چین اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ

شوہر ہوں اس میں یا پدر - یا ہوں برادر یا پسر

الفت تمھاری کرگئی گھر دل میں جس بے دید کے
وہ بدگماں تم سے رہا اے بے نصیبو! عمر بھر
گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق رہے
پر نیک هوں یا بد - رهے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم علم و دانش سے رهو محروم یہاں
آئی تھیں جیسی بے خبر - ویسی هی جاؤ بے خبر
تم اس طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رهو
هو تم کو دنیا کی - نہ دنیا کو تمھاری هو خبر
جو علم مردوں کے لئے سمجھا گیا آب حیات
ٹھیرا تمھارے حق میں وہ زہر هلاهل سربسر
آتا هے وقت انصاف کا - نزدیک هے یوم‌الحساب
دنیا کو دینا هوگا ان حق تلفیوں کا وهاں جواب

(ساتواں بند)

گذرے تھے جگ تم پر کہ همدردی نہ تھی تم سے کہیں
تھا منحرف تم سے فلک - برگشتہ تھی تم سے زمیں
دنیا کے دانا اور حکیم اس خوف سے لرزاں تھے سب
تم پر مبادا علم کی پڑجائے پرچھائیں کہیں
ایسا نہ هو مرد اور عورت میں رهے باقی نہ فرق
تعلیم پاکر آدمی بننا - تمھیں زیبا نہیں
یہاں تک تمھاری هجو کے گائے گئے دنیا میں راگ
تم کو بھی دنیا کی کہن کا آگیا آخر یقیں
علم و هنر سے رفتہ رفتہ هوگئیں مایوس تم
سمجھالیا دل کو کہ هم خود علم کے قابل نہ تھیں

جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لئے
وہ ذلتیں سب نفس پر - اپنے گوارا تم نے کیں
سمجھا نہ تم کو ایک دن - مردوں نے قابل بات کے
تم بیویاں کہلائیں لیکن لونڈیاں بن کر رہیں
آخر تمہاری چپ دلوں میں اہل دل کے چبھ گئی
سچ ہے کہ چپ کی داد آخر بے ملے رہتی نہیں
بارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں
آیا تمہارے صبر پر دریائے رحمت جوش میں

(آٹھواں بند)

نوبت تمہاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی ایک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا
پر حل ہر ایک مشکل یوں ہی دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سچائی کی سدا
پر فتح جب پائی سچائی ہی نے آخر پائی ہے

(خطاب بہ حامیان تعلیم نسواں)

اے بے زبانوں کی زباں! اے بے بسوں کے بازوو!
تعلیم نسواں کی مہم - جو تم کو اب پیش آئی ہے
یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے جن قوموں کو پیش
منزل پہ گاڑی اُن کی استقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت اگر - دل میں نہیں عزم درست
پر ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے

یہ جیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمھاری پشت پر
جو حق پہ منہ آیا ہے - آخر اس نے منہ کی کھائی ہے
جو حق کے جانب دار ہیں بس ان کے بیڑے پار ہیں
(بھوپال) کی جانب سے ہاتف کی یہ آواز آئی ہے
ہے جو مہم در پیش دست غیب ہے اس میں نہاں
تائید حق کا ہے نشاں امداد "سلطان جہاں"

ننگ خدمت

یاد ایام کہ بے رنگ تھی تصویر جہاں
دست مشاطہ نہ تھا محرم زلف دوراں
گل خود رو سے بسا تھا چمن کون و مکاں
چار سو حسن خداداد کا سکہ تھا رواں
وضع عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک
خط قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک
طفل معصوم کی مانند تھا یہ عالم پیر
تھی ہم اک صنعت بے چون و چرا کی تصویر
ملک فطرت میں نہ تھی سلطنت نفس شریر
طبع نے مملکت روح نہ کی تھی تسخیر
خواب غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم
مدد غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم

جو سبق آئے تھے استاد ازل سے لے کر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یہاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی
دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی
ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی

عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی
روبرو جس کے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی
آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اس قدر عمر دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم
عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
کسی محنت سے، مشقت سے نہ معذور تھے ہم
آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھہ دھیان نہ تھا
کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا، در پہ نگہبان نہ تھا
جی میں فرعون زماں بننے کا ارمان نہ تھا .

آکے دنیا میں بہت پانوں نہ پھیلاتے تھے
اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے
روکھہ کی چھانو کو ہم ظل ہما جانتے تھے
مل گیا جو، اُسے انعام خدا جانتے تھے
نہ برا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے

طاعت نفس فرومایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گذران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار
طے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہ گذار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرف بلوریں درکار
انھیں ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا اپنی مدار

شرم آتی تھی نہ ہل جوتنے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھہ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام
دیتے تھے کلۂ بریاں کا مزا گندم خام
دست و بازو کی بدولت تھا ہمیں عیش مدام
خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبرو نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا ساماں
نان جو کھاتے تھے خوش ہوکے ہمارے مہماں
تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلف کا نشاں
ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں
طبل ظاہر کے نمائش کے نہ بجتے تھے وہاں
جو برستے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں

آیہ موسم گل میں تھا عجب لطف ہوا
آندھیوں نے کئے انجام کو طوفاں برپا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا
جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا
مٹتے مٹتے اثر صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تاچوٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں، اے روشیں تازہ بدلنے والے
نت نئی چال، نئی ڈھال سے چلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچے میں ڈھلنے والے
روز اک سانگ نیا بھرکے نکلنے والے
آج کچھ اور ہے، کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ ہم وزن تھے سب خُرد و کلاں
لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں
ایک اسلوب پہ تھی گردش پرکار زماں
شہر و ویرانہ و آباد میں تھا ایک سماں
قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلا
کوئی پلہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سر مو
سب تھے ہم ایک ترائی کے درخت خود رو
حاجتیں لے کے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو
دست قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہاتھ نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جور و تغلب کا اک اُٹھا طوفاں
جس کے صدمہ سے ہوئی زیر و زبر نظم جہاں
اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں
بکریوں کو نہ رہی بھیڑیوں سے جاے اماں
تیز دنداں ہوے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ
مچھلیوں پر لگے منہ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شائستۂ ہر باب بنایا تھا ہمیں
ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں
زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں
ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

در مخلوق کو ہم ملجا و ماویٰ سمجھے
طاعت خلق کو اعزاز کا تمغہ سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے
ننگ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے
عیب گننے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہر آزادی کو

نوکری ٹھیری ہے، لے دیکھے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہوگئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی
ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصد تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کار عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے ایک اک کے غلام
نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اُس کی ادا
ایک افسر ہو تو حکم اُس کا کوئی لائے بجا
زید کی رائے جدا عمرو کی تجویز جدا
ایک بندہ کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا
بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیم گناہ
کہیں غماز کا دھڑکا کہیں خوف بد خواہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہ ہو جنسے نباہ
خدمت اک بار گراں ہے کہ عیاذاً باللہ
پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گزرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
بے سبب اُن پہ گذرتی ہیں جفائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر
سامنے جاتے ہیں پڑہ پڑہ کے دعائیں اکثر
غیرت آئی جنھیں وہ ٹھیرنے پاتے نہیں یہاں
جو کہ عاقل میں کبھی کان ہلاتے نہیں یہاں

کیجئے فرض کہ ہے زید بڑا منصب دار
اور عمرو اس کا ہے ایک بندۂ فرمانبردار
فرق دونوں میں نہیں اس کے سوا کچھ زنہار
کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار
ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونوں
قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونوں

عمرو کرتا ہے اگر اس کا ادب اور تعظیم
کرنی پڑتی ہے اُسے بھی کہیں جھک کر تسلیم
زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دل عمرو دو نیم
جاکے سنتا ہے کہیں زید بھی الفاظ سقیم
پاجی احمق اُسے کہنے کا اگر ہے دستور
نام فول اس کو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرت انسان جو بڑائی میں قدم
گاؤ و خر اُن سے ہیں کیا جانئیے کہ کس بات میں کم
مالکوں کے اُنھیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم
ذلتیں اُن کے لئے بھی ہیں مہیا ہر دم
ننگ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہے گر اُن کو ملال
مدتیں گزریں کہ اوتا گیا یہاں عیش وصال
نوکری نے جو ہمیں دکھلایا طلسم اقبال
چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوئے جویاے ممال
گھر چھٹا یار چھٹے خویش و یگانہ چھوٹا
ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

انکی گردن میں اگر قید کی رسی ہے پڑی
اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی
تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی
نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی
مرغ بے پر کی طرح قیدیء صیاد ہیں ہم
کہئے پھر کون سی حجت ہے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرط مشقت سے اگر وہ رنجور
مالک اُن کی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
دیکھہ لیتے نہیں جب تک کہ ہوے روگ سے دور
رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے اُن کو معذور
جانتے ہیں - یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انہیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بن جاے مشقت سے یہاں
نہیں امید کہ گزرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کہ ہے مزدوروں کا دنیا میں سماں
نہ ہوا ایک تو رکھتی نہیں تعمیر مکاں
پھرتے ہیں پیٹ کی یہاں دیتے دوہائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں - ماتحت ہو یا ہو افسر
ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر

یہی گھر بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام و سحر
فی المثل ایک کرایہ کی دکاں ہے نوکر

رہے - جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
جب لگی بیٹھنے لی جا کے کہیں اور بدل

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا
کہ نہیں خدمت ہمجنس کا ان پر دھبا

گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو اس میں گدھا
ایک کا ایک کو تابع کہیں دیکھا نہ سنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

اس سے بڑھ کر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں
کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضے میں عناں

ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں
نسل آدم میں کوئی ڈھوڑ ہو کوئی انساں

نا تواں ٹھیرے کوئی - کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو
ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو

ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو
ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں یم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرماں بردار
اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے ان کو سروکار
جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی ان کا دربار
گر توفگر ہیں تو دس بیس ہیں انکے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم
حکم سے کوئی نہیں ان کا بلانے والا
جبر سے کوئی نہیں ان کا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانے والا
سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا
اٹھ کے چلدیں تو نہیں روکنے والا کوئی
الٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی
ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
اور کھل جائیں کمالات بھی ان کے سب پر
جوہری جو ہیں وہ سب ان کے پرکھ لیں جوہر
کامیابی نہیں ان کے لئے اس سے بڑھ کر
کہ صدا قید رہیں مرغ خوش‌الحاں کی طرح
جاکے بک جائیں کہیں یوسف کنعاں کی طرح
دیکھ لیں جب انہیں ہر علم و ہنر میں یکتا
شرف ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا
زور بازو میں بلندیء نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالات بشر میں یکتا
اور پھر اس پہ مدد طالع بیدار کی ہو
تب نصیب ان کو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے در در
سفدیں چٹھیاں پر وانے دکھاتے در در
چاپلوسی سے دل ایک اک کا لبھاتے در در
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در

تا کہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جاے
نفس جس طرح بنے لایق خدمت ہو جاے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی ان کی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اسی دم راہی

برسوں اس پر بھی گزر جاتے ہیں بے نیل ومرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا
کبھی ٹھیراتے ہیں گردش کو زمانے کی برا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا
کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت سے خفا

وعدۂ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ
اس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوے بند سب ان پر گویا
اب فلک پر انہیں ملجا نہ زمیں پر ماوی

کام ہوتا کوئی اور ان سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

جن کے اسلاف نے تھا قوم کا دیکھا اقبال
یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال
پاتے ہیں ان کو عنایات سے شاہوں کی نہال
مال و دولت سے انھیں دیکھتے ہیں مالا مال
ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کبیر
دیکھتے جب ہیں کہ دمساز تھے ان سے ایام
بادۂ عیش سے لبریز تھا جام ان کا مدام
کہتے ہیں خدمت سلطاں میں ہے اعزاز تمام
اس لئے ہم نے لیا پیشۂ آبائے کرام
دیکھیں منہ ڈال کے گر اپنے گریبان میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اس ارمان میں وہ
ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوا
اپنی بھی چال گیا بھول بقول حکما
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو حمقا
وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانے کا ہے کیا
اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا ان کی وجاہت کیاتھی
سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکان
ان سے ہر حال میں دربار کو تھا اطمینان
رتق اور فتق کی ہاتھوں میں انھیں کے تھی عنان
طبل و نقارہ انھیں کا تھا انھیں کا تھا نشان
تھے وہی قائد لشکر وہی دفتر کے دبیر
تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت ان سے ہر اک بات میں لی جاتی تھی
جستجو ان کی مہمات میں کی جاتی تھی
رخصت خلوت و جلوت انھیں دی جاتی تھی
سب چھپی اور ڈھکی ان سے کہی جاتی تھی
ڈھونڈ ڈھونڈ ان کو بلاتے تھے حکومت کے لئے
خدمت اُن کے لئے تھی اور وہ خدمت کے لئے

اُن کی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہے توقیر
نوکری کے لئے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سوجھے اُنہیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر
کاش سمجھیں کہ ہیں کس وہم کے پھندے میں اسیر
بھادوں آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا
گئے منصب بھی جہاں قوم کا اقبال گیا

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل
گردش دہر نے دی صورت احوال بدل
خاندانوں کی نجیبوں کے گئی تھیک نکل
کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل
گر گئے جو مٹے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں
چاہئے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسر جنھیں وہ خدمت سرکار کریں
ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں
ابرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں

پیشه سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں
کشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاحت سیکھیں
الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں
کہیں تسلیم کریں جاکے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخر بنی اسرائیل
ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود رب جلیل
جس نے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل
جس کے خود دست عصا میں تھی رسالت کی دلیل
گلہ بانی کے لئے پایا جو ایمائے شعیب
بکریاں اُس نے چرانے میں نہ سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے رہے
اولیا خلق کی طاعت سے اِبا کرتے رہے
خدمت جنس سے نفرت دکھا کرتے رہے
حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے
اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر
ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہ ہوے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر
جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جاکے نظر
گئے دلجمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہوں گے حالی سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا
خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہنما
جھکتے جھکتے ہوئی پشت آپکی خدمت میں دوتا
اس پہ ہے غیر سے آزادہ روی کا دعویٰ
بات کہنی وہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

حالی کی شاعری

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور
مجھ سے اُٹھیں گے ان کے ناز ضرور
خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ
مجھ سے برتر ہے میری طبع غیور
خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے
میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور
نہ کفو اہل عصر میں مجھکو
میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
چشمۂ آب خضر کی مانند
چشم اہل جہاں سے ہوں مستور
دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت
مجھکو پروا نہیں کہ ہوں مشہور

مثل یوسف دکھائے جوہر ذات
جس کو بکنا ہو مفت یہاں منظور
جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر
ہوں زمانہ کے ہاتھہ سے مجبور

جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں
اُس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور
لذت مے سے جو نہو آگاہ
اس کو کیا قدر خوشۂ انگور

جس کے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے
روز روشن ہے یا شب دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدر ہنر
اُٹھہ گیا اب جہاں سے یہ دستور

درد دل کا بیاں کروں کس سے
بات کھونی نہیں مجھے منظور
سخن حق کی داد لوں کس سے
سن چکا ہوں فسانۂ منصور

ہم نے دیکھی تمیز اہل نظر
ہم نے دیکھا مذاق اہل شعور
ہے غرض اُن کو صوت موزوں سے
نالۂ دل ہو یا نواے طیور

ہے فقط روشنی سے ان کو کام
سوم ہو اصل شمع یا کافور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ
دل اصحاب کو نہ ہو مسرور

ہوں تماشائے شہر نابینا
ہے برابر مرا خفاء و ظہور
دُر یکتا ہوں اور ہوں بے آب
ماہ کامل ہوں اورہوں بے نور

چشمہ پیدا و روان تشنہ
بادہ پر زور انجمن مخمور
اس زمانے میں وہ غریب ہوں میں
جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور

کاش اس عہد میں مجھ پاتے
تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز
انوری ہے نہ عرفی و شاپور

کون دیکھے مرے چمن کی بہار
مر گیا عندلیب نیشاپور
جس سے ہوتا ہے خستہ سینۂ ہوش
ہے زباں میری وہ دم ساطور

جس سے ہوتا ہے کور پروانہ
ہے مری شمع میں وہ لمعۂ نور
لوں ملائک سے داد حسن کلام
گر لکھوں نعت سرور جمہور

کر کے جاؤں جو حق سے عذر گناہ
لے کے آؤں نوید عفو قصور

مٹی کا دیا

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لاکے روشن کردیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آسان گزر جائیے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

مرثیہ عارف

(از مرزا اسد اللہ "غالب")

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور
ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

جاتے ہوے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تم ماہ شب چاردہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم ایسے کہاں کے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

نادان ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو 'غالب'
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

—— * [غزل] * ——

کوئی اُمید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤگے 'غالب'
شرم تم کو مگر نہیں آتی

—— * [قصیدہ] * ——

ہاں مہ نو سنیں ہم اُس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح
یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردش ایام
اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرور خاص خواص
حبذا اے نشاط عام عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اُس کو بھولا نہ چاہئے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
ایک ہی ہے امید گاہ انام

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بہ طرز استفہام

مہر تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ
قرب ہر روزہ بر سبیل دوام
تجھکو کیا پایہ روشناسی کا
جز بہ تقریب عید ماہ صیام

جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
ماہ بن ماہتاب بن میں کون
مجھکو کیا بانٹ دے گا تو انعام

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص
گر تجھے ہے امید رحمت عام

جو کہ بخشے گا تجھکو فر فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مئے گل فام
جب کہ چودہ منازل فلکی
کر چکی قطع تیری تیزیء گام

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر
کوے و مشکوئے صحن منظر عام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
اپنی صورت کا ایک بلوری جام

آم کی تعریف

(غالب)

ہاں دل دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے در خزینۂ راز
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخ گل کا ہے گلفشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے
نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے
آم کا کون مرد میداں ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں رہے ارمان
آئے یہ گوے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گُل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دوا خانۂ ازل میں مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے بہ حکمِ رب الناس
بھر کے بھیجے ہیں سربہ مہر گلاس

یا خضر نے لگا کے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

وفق کار گاہ برگ و نوا
نازش دودمان آب و ہوا
رہرو راہ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

——:●:——

نیا شوالہ

از

(ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب)

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے
آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملادیں، نقش دوئی مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ، اک نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
داماں آسماں سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں
شکتی بھی شانتی بھی بھکتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

نوحۂ ہندوستان

(انتخاب از تصویر درد)

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہمزبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ ساماں کا
مرا آئینۂ دل ہے قضا کے رازدانوں میں
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں! مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں

نشاں برگ گل تک بھی نہ چھوڑا باغ میں گلچیں!
تیری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صدا میری! یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے' ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں؟
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر!
زمیں پر تو ہو' اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن' محبوب فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کرکے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری ظلمت میں' میں روشن چراغاں کرکے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہو دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کرکے چھوڑوں گا

پرونا ایک ھی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ھے، تو اس مشکل کو آساں کرکے چھوڑوں گا

مجھے اے ھم نشیں! رھنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کرکے چھوڑوں گا

دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ھے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کرکے چھوڑوں گا

جو ھے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھہ لیتی ھے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھہ لیتی ھے

ایک پرندے کی فریاد

(اقبال)

آتا ھے یاد مجھکو گزرا ھوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

وہ ساتھہ سب کے اڑنا وہ سیر آسماں کی
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا مل کے گانا

پتوں کا ٹہنیوں پر وہ جھومنا خوشی میں
ٹھنڈی ھوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کا صبح آکر پھولوں کا منہ دھلانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا
تڑپا رہی ہے مجھ کو رہ رہ کے یاد اس کی
تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آب و دانا
اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہی قفس میں، میں غم سے مر نہ جاؤں
کیا بد نصیب ہوں میں، گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار، کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
باغوں میں بسنے والے خوشیاں منا رہے ہیں
میں دل جلا اکیلا دکھ میں کراہتا ہوں
آتی نہیں صدائیں ان کی مری قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں
ارمان ہے یہ جی میں اڑ کر چمن کو جاؤں
ٹہنی پہ گل کے بیٹھوں آزاد ہو کے گاؤں
بیری کے شاخ پر ہو ویسا ہی پھر بسیرا
اس اجڑے گھونسلے کو پھر جا کے میں بساؤں
چگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے
ساتھی جو ہیں پرانے ان سے ملوں ملاؤں
پھر دن پھریں ہمارے پھر سیر ہو وطن کی
اڑتے پھریں خوشی سے کھائیں ہوا چمن کی

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہوگیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے' غم دل کو کھارہا ہے

گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے
دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

آزاد جس نے رہ کر دن اپنے ہوں گزارے
اس کو بھلا خبر کیا یہ قید کیا بلا ہے

آزاد مجھ کو کردے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

کنج عزلت

(از ڈاکٹر سر محمد اقبال)

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے ہوں گریزاں دل ڈھونڈھتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامان کوہ میں ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہے میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کُہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کے چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید اُن کی، میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اُس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مرا دعا ہو

دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جن کی نم سے بوٹا امید کا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

جگنو

(از ڈاکٹر سر محمد اقبال)

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آکے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

چھوٹے سے چاند میں تھی ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا جویا یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانہ کو تپش دی جگنو کو روشنی دی

رنگیں نوا بنایا مرغان بے نوا کو
گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی موجوں کو بے کلی دی
اک مشت گل میں رکھا احساس کا شرارہ
انساں کو آگہی دی ظلمت کو چاندنی دی
یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری
حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے غنچہ میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درد کی کسک ہے
انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل، بو پھول کی چہک ہے
کثرت میں ہوگیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے
یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو
ہر شے میں جب کہ پنہاں خاموشیٔ ازل ہو

غزل

(از پنڈت برج نرائن چکبست)

زباں سے جوش قومی دل میں پیدا ہو نہیں سکتا
اُبلنے سے کنواں وسعت میں دریا ہو نہیں سکتا
بہت پنہاں رہی دل میں خلش خار تعصب کی
مگر اب امتحاں کے وقت پردا ہو نہیں سکتا

جدا سینے سے دل ہو دست و بازو قوم کے شل ہوں
مگر دل سے جدا دم بھر یہ کا نٹا ہو نہیں سکتا

گراں ہے جنس اور نیت خریداروں کی ابتر ہے
اب اس بازار میں الفت کا سودا ہو نہیں سکتا

جسے ہے فکر سو ہم کی اسے قاتل سمجھتے ہیں
الٰہی خیر ہو یہ زخم اچھا ہو نہیں سکتا

کہاں بزدلی ہے پست ہو نا اپنی آنکھوں میں
اگر تھوڑی سی ہمت ہو تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

ابھر نے ہی نہیں دیتی یہاں بے مائگی دل کی
نہیں تو کون قطرہ ہے جو دریا ہو نہیں سکتا

غزل

از

(پنڈت برج نرائن چکبست)

درد دل، پاس وفا، جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے؟ انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

دفتر حسن پہ مہر ید قدرت سمجھو
پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں ہونا

گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک!
ہے اسے طرۂ دستار غریباں ہونا

رامائن کا ایک سین

از

(پنڈت برج نرائن چکبست)

رخصت ہوا وہ باپ سے ، لے کر خدا کا نام
راہ وفا کی منزل اول ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام
دامن سے اشک پونچھ کے دل سے کیا کلام

آخر ہے کچھ حد ستم و ظلم و جور بھی
مجھکو اُداس دیکھ کے غم ہوگا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال
خاموش ماں کے پاس گیا صورت خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتا سا ہو گیا ہے ، یہ ہے شدت ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں ، کوئی تصویر سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ
نور نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ
لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ

چہرے کا رنگ حالت دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیر یاس کا قفل دھن کھلا
افسانۂ شدائد رنج و محن کھلا
اک دفتر مظالم چرخ کہن کھلا
وا تھا دھان زخم کہ باب سخن کھلا

درد دل غریب جو صرف بیاں ہوا
خون جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

روکر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں!
میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں
لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سپید
اندھا کئے ہوے ہے زر و مال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید
سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثال بید

لکھی ہے کیا حیات ابد ان کے واسطے
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم
تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو!

کن کن ریاضتوں سے گزارے ھیں ماہ و سال
دیکھی تمھاری شکل جب اے میرے نونہال
لائیے دُلھن جو بیاہ کے شادی ھوئی کہاں
آفت یہ آئی مجھہ پہ ھوے جب سفید بال

چھٹتی ھوں اُن سے، جوگ لیا جن کے واسطے
کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نا مراد بہت آئیں گے نظر
گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
رھتا مرا بھی نخل تمنا جو بے ثمر
یہ جاے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر

لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغ تمنا اُجڑ گیا

سرزد ھوے تھے مجھہ سے خدا جانے کیا گناہ
منجھدھار میں جو یوں مری کشتی ھوئی تباہ
آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ
اب یہاں سے کوچ ھو تو عدم میں ملے پناہ

تقصیر میری خالق عالم بحل کرے
آساں مجھہ غریب کی مشکل اجل کرے

سن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز
اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ھوں اشک ریز
لیکن ھزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی نہ جان سے بے کس گزر نہ جاے
ناشاد مجھکو دیکھہ کے ماں اور مر نہ جاے

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور
مایوس کیوں ہیں آپ، الم کا ہے کیوں وفور ؟
صدمہ یہ شاق، عالم پیری میں ہے ضرور
لیکن نہ دل سے کیجئیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھہ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل، یہ فریب، یہ سازش، یہ شور و شر
ہوتا جو ہے سب اُس کے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں، نہ ان پر کرو نظر
کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اُس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج، خوشی ہو کہ انتشار
واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگ روزگار
ماتم کدے میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں، کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑہ کے زمانے نے انقلاب
جن سے کہ بے گناہوں کی عمریں ہوئیں خراب
سوز دروں سے قلب و جگر ہوگئے کباب
پیری مٹی کسی کی، کسی کا مٹا شباب
کچھہ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے

ماں باپ منہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
قائم تھیں جن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی
ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی

محروم جب وہ گل ہوے رنگ حیات سے
اُن کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے

کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملال
اِن بے کسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
ہے کبریا کی شان گزرتے ہی ماہ و سال
خود دل سے درد ہجر کا مٹتا گیا خیال

ہاں کچھ دنوں تو نوحۂ و ماتم ہوا کیا
آخر کو روکے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
کرتا ہے اُس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہوکے ہوتے ہیں انساں گناہ گار
یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روز گار

انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امر رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
بعد سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
قائم اُمید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں
ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انھیں گراں

لیکن جو رنگ باغ بدلتا ہے ناگہاں
وہ گُل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انھیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دست یاس وہ برگ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرامیں بے شمار
موقوف کچھہ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار

دیکھو یہ قدرت چمن آرائے روزگار
وہ ابر و باد و برف میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے اُن پہ فضل جو رب کریم کا
موج سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرم کار ساز پر
صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر

جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر
رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر

اُس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
داماں دشت، دامن مادر سے کم نہیں

گور غریباں

از

(مولوی علی حیدر صاحب ' نظم ' طبا طبائی)

وداع روز روشن ہے گجر شام غریباں کا
چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم گھر کی طرف کس شوق میں اٹھتا ہے دہقاں کا
یہ ویرانہ ہے ' میں ہوں ' اور طائر آشیانوں کے

اندھیرا چھا گیا ' دنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے
جدھر دیکھو اٹھا کر آنکھ اُدھر اک ہو کا ہے عالم
مگس لیکن کسی جا بھیروین بے وقت گاتی ہے
جرس کی دور سے آواز آتی ہے کبھی پیہم

کبھی اک گنبد کہنہ پہ بوم خانماں ویراں
فلک کو دیکھ کر شکووں کا دفتر باز کرتا ہے
کہ " دنیا سے الگ اک گوشۂ عزلت میں ہوں پنہاں
کوئی پھر کیوں قدم اس کنج تنہائی میں دھرتا ہے"

قطار اک سامنے ہے مولسریوں کے درختوں کی
وہاں قبریں ہیں کچھ مٹی کے جیسے ڈھیر ہوتے ہیں
ہر اک نے مر کے بس دو گز کفن ' گز بھر زمیں پائی
بسانے والے جو اس گاؤں کے تھے ' سب وہ سوتے ہیں

نفس باد سحر کا، نالۂ پر درد بلبل کا
ہوے بیکار سب، ان کو اٹھا سکتا نہیں کوئی
رہی بے فائدہ مستوں کی ہو حق، شور قلقل کا
ہیں ایسے نیند کے ماتے، جگا سکتا نہیں کوئی

نہ چولھے آگ روشن ہے، نہ اب ان کے گھڑے پانی
نہ گھر والوں کو اب کچھ کام ہے فکر شبستاں سے
نہ بی بی کو سر شام انتظار اب ہے نہ حیرانی
نہ بچے دوڑتے ہیں اب کہ اپٹیں آکے داماں سے

وہی ہیں یہ جنھیں وقت دِ ر و مہلت نہ تھی دم بھر
وہی ہیں، ہاتھ چلتے رہتے ہی تھے بیشتر جن کے
وہی ہیں یہ جنھوں نے ہل چلائے کھیت گا گا کر
بڑے سرکش درختوں کو گراتے تھے تبر جن کے

نہ دیکھیں حال ان لوگوں کا ذلت کی نگاہوں سے
بھرا ہے جن کے سر میں غرّۂ نوابی و خانی
یہ اُن کا کاسۂ سر کہہ رہا ہے کج کلاہوں سے
عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عجب تاج سلطانی

نہیں شایان فخر و ناز نوبت اور نقارہ
جو نازاں جاہ و ثروت پر ہیں، اُن پر موت ہنستی ہے

وہ ساعت آنے والی ہے، نہیں جس سے کوئی چارہ
کہ فانی ہے جہاں، ہر اوج کا انجام پستی ہے

نظر آتے نہیں کتبے مزاروں پر تو کیا غم ہے
چراغاں اور صندل اور گل و ریحاں نہ ہو تو کیا
نہیں نہگیر اور کمخواب کی چادر تو کیا غم ہے
جو خوش آہنگ کوئی قاریٔ قرآں نہ ہو تو کیا

بناتے ہوبہو تصویر اگر مدفن پہ رکھنے کو
پلٹ کر اس سے کچھ نکلی ہوئی سانس آ نہیں سکتی
دعا ہو، فاتحہ ہو، مرثیہ ہو، آہ و زاری ہو،
کوئی آواز اُن کے کان ہی تک جا نہیں سکتی

خدا جانے تھے ان لوگوں میں کیا کیا جوہر قابل
خدا معلوم رکھتے ہوں گے یہ ذہن رسا کیسے
خدا ہی کو خبر ہے کیسے کیسے ہوں گے صاحب دل
خدا معلوم ہوں گے بازوے زور آزما کیسے

زمانے نے مگر کوئی ورق ایسا نہیں اُلٹا
کہ بار فکر سے مہلت یہ پاتے سر اُٹھانے کی
مصیبت نے طبیعت کی روانی کو کیا پسپا
کہ بار آنے نہ پائی جوہر ذاتی دکھانے کی

بہت سے گوہر شہوار باقی رہ گئے ہوں گے
کہ جن کی خوبیاں سب مٹ گئیں تہ میں سمندر کی

ہزاروں پھول دشت و در میں ایسے بھی کھلے ہوں گے
کہ جن کے مسکرانے میں ہے خوشبو مشک از فر کی

یہ صاحب عزم ہیں ' گو رزم کی نوبت نہیں آئی
حکومت اپنے قریے میں کی ' لیکن دوست دشمن پر

وہ فردوسی یہ ہیں، جن کی زباں کھلنے نہیں پائی
وہ رستم ہیں، نہیں سہراب کا خوں جن کی گردن پر

مقدر نے انہیں مصروف رکھا قلبہ رانی میں
وگر نہ حکم رانی کا بھی جلوہ یہ دکھا دیتے

عجب کیا شہرۂ آفاق ہوتے خوش بیانی میں
اور اپنے کارنامے اہل عالم کو سنا دیتے

رہے محروم نیکی سے ' بچے ہر اک برائی سے
نہ زور مردم آزاری ' نہ شور فتنہ انگیزی

نہ دولت کی طمع میں بے گناہوں کے گلے کاٹے
نہ کی خلق خدا کے ساتھ بیرحمی و خونریزی

نہ صحبت میں امیروں کی کبھی خون جگر کھایا
نہ اونڈایا لہو اپنا کبھی جھوٹی خوشامد سے

نہ مل کر روغن ناز آتش نخوت کو بھڑکایا
کہ جس سے خود پسندوں کا تمسخر بڑہ چلے حد سے

الگ ہر نیک و بد سے، دور دنیا کے مکائد سے
گئے بیگانہ وار، اور خلق میں بیگانہ وار آئے
رہے محفوظ ابنائے زمانہ کے مفاسد سے
قدم راہ توکل سے کبھی ڈگنے نہیں پائے

نہ دیکھہ ان استخواں ہائے شکستہ کو حقارت سے
یہ ہے گور غریباں، اک نظر حسرت سے کرتا جا!
نکلتا ہے یہ مطلب لوح تربت کی عبارت سے
"جو اس رستے گذرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا جا!"

لکھے ہیں نام ان قبروں پہ گو کاواک حرفوں میں
مگر بھولے ہوے کو ٹھیک رستہ یہ بتاتے ہیں
افادہ اس سے بڑہ کر اور کیا ہوگا اگر سوچیں
کہ جو مرنے سے نا واقف ہیں، رستہ سیکھہ جاتے ہیں

جو آیا ہے جہاں میں یاں سے جانا ہے اُسے اِک دن
یہ ہوتا ہے کوئی چاہے گا دل سے یا نہ چاہے گا
مگر جاتے ہوے پھر کر نہ دیکھے، یہ نہیں ممکن
دلوں سے یاد بھی مٹ جائے، یہ حاشا نہ چاہے گا

کوئی زانو کسی کا ڈھونڈھتا ہے دم نکلنے کو
کہ دیکھے اشک گرتے چاہنے والے کے دامن میں
کسی کی ہے یہ خواہش دوست کاندھا دیں جنازے کو
پھر اس پر فاتحہ کی آرزو ہے کنج مدفن میں

حقیقیت غور سے دیکھی جو ان سب مرنے والوں کی
تو ایسا ہی نظر آنے لگا انجام کار اپنا
انھیں کی طرح جیسے مل گئے ہیں خاک میں ہم بھی
یونہیں پرسان حال آ نکلا ہے اک دوست دار اپنا

یہ اس سے ایک دہقان کہن سال آ کے کہتا ہے
کہ "ہاں ہاں خوب ہم واقف ہیں، دیکھا ہے اسے اکثر"
پھر اسکے بعد دل ہی دل میں کچھہ غم کھا کے کہتا ہے
کہ "اب تک پھرتا ہے آنکھوں میں پھرنا اسکا سبزے پر"

" وہ اس کا نور کے تڑکے ادھر گلگشت کو آنا "
"وہ پو پھٹنے سے پہلے آ کے پھرنا سبزہ زاروں میں "
" وہ کچھہ کم دن رہے اس کا لب جو کی طرف جانا"
" وہ اس کا مسکرانا دیکھہ کر شور آبشاروں میں"

" کبھی ایسی ہنسی لب پر کہ ظاہر جس سے کچھہ نفرت "
" اور اسکے ساتھہ ہی کچھہ زیر لب کہتے ہوے جانا"

" کبھی تیوری چڑھائے ، منہ بنائے رنج کی صورت"
" کہ جیسے دل پہ صدمہ ہے ، زباں جس سے ہے بیگانہ "

" غرض کیا کیا کہوں ، اک روز کا یہ ذکر ہے صاحب
کہ "اس میداں میں پھر تے صبحدم اسکو نہیں دیکھا"
" ہوا پھر دوسرا دن اور نظر سے وہ رہا غائب "
" خیاباں میں اسے پایا ، نہ دریا پر کہیں دیکھا "

" پر اسکے تیسرے دن دیکھتا کیا ہوں ، جنازے کو
" لئے آتے ہیں سب ، پڑھتے ہوے کلمہ شہادت کا "
" تمہیں پڑھنا تو آتا ہوگا ؟ آؤ پاس سے دیکھو !"
" یہ اس کی قبر ہے ، اور یہ کتابہ سنگ تربت کا "

" اب آغوش لحد میں سو رہا ہے چین سے کیسا "
" گیا افسوس ! لیکن یہ جواں ناکام دنیا سے "
" دکھایا جاہ و شہرت نے نہ بھولے سے بھی منہ اپنا"
" پھر ایسے نامرادوں کو بھلا کیا کام دنیا سے "

" ہر اک کے درد دکھ سے اسکو رونا تھا سدا مطلب"
" ہوا ممکن تو یاری کی ، نہیں تو اشکباری کی "
" دیا دست تہی کے ساتھ طینت میں کرم یا رب! "
" میں تیری شان کے قربان کیا اچھی تلافی کی "

" خدا بخشے اسے، بس دوست کا رہتا تھا وہ جویا "
" تو نکلا دوست اک آخر خدا وند کریم اس کا "
" اب اس کے نیک و بد کا ذکر کرنا ہی نہیں اچھا "
" کہ روشن ہے خدا پر عالم امید و بیم اس کا "

مناجات

از

(میر ببر علی 'انیس')

یا رب چمن نظم کو گلزار ارم کر
اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے، توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گذاری
ہر نخل بر و مند ہے یا حضرت باری!
پھل ہمکو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہو جن پھولوں کی بو کو

غواص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی
سب ہوں در یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کے یہ ہوں گے، جنھیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے در مقصود سے اس درج دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو
آگاہ کر انداز تکلم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غل تابہ سمک ہو
ہر گوش بنے کان ملاحت، وہ نمک ہو

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام
جس میں عوض نشئہ ہو کیفیت انجام
ہر مست فراموش کرے گردش ایام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو! پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلد بریں سے

آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبع الوالعزم
قطع سر اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکن ماہی
عالم کو دکھا دے برش سیف الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے، یہ چلائیں سپاہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

گھوڑا

از

(میر ببر علی 'انیس')

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکیٔ سمند
سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اُس کے جوڑ بند
سم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سر بلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ، اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا
آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال
کبک دری خجل، دل طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال

راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تار نفس بھی اُس کے لئے تازیانہ تھا
بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابر گُہر بار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبد دوّار بن گیا
نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کی گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

گرمی کی شدت

از

(میر ببر علی "انیس")

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے، نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے
شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے

آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا، زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

غزل

از

(بہادر شاہ 'ظفر')

ہمیں عشق میں اس کا تو رنج نہیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا، کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اُٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہی پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں، کوئی دوسرا اسکے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ترے رخ کے خیال میں کون سے دن، اُٹھے مجھ پہ نہ فتنۂ روز جزا
تری زلف کے دھیان میں کون سی شب مرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہد نشاط، یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

کئی روز میں آج وہ مہر لقا ہوا سامنے میرے جو جلوہ نما
مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا، اُسے پاس حجاب ذرا نہ رہا

اُسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں، مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کئے لاکھ فریب، کروڑ فسوں، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

'ظفر' آدمی اُس کو نہ جانئیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

غزل

از

(بہادر شاہ 'ظفر')

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تونے
کیوں خردمند بنایا، نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاک در جانانہ بنایا ہوتا

تشنۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھکو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اگر دوری ساقی سے مجھے
تو چراغ در میخانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے 'ظفر!'
ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا

غزل

از

(انشاءاللہ خاں 'انشا')

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دھن میں اس گھڑی مے خوار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے اُفتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے 'انشا'
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

بھٹکی ہوئی نیکی

از

(شبیر حسن خاں صاحب 'جوش')

ہر شے کو مسلسل جنبش ہے راحت کا جہاں میں نام نہیں
اس عالم سعی و کاوش میں، دم بھر بھی ہمیں آرام نہیں

چھائی ہے فضا پر تشنہ لبی، مفقود یہاں سیرابی ہے
ہر جسم میں ایک بے چینی ہے، ہر روح میں ایک بے تابی ہے

اس بزم عمل کا ہر ذرہ بے چینیوں کے انبوہ میں ہے
اک رعشۂ پیہم کاہ میں ہے، اک لرزش پنہاں کوہ میں ہے
ہستی کی سماعت مضطر ہے، عشرت کے ترانے سننے کو
ہر نقص کا دامن پھیلا ہے تکمیل کی کلیاں چننے کو
طوفان ہے قلب پستی میں کیا بام فلک پر چڑھنے کا
ایک رو ہے ترقی کرنے کی، اک جوش ہے آگے بڑھنے کا
ہر موم کو دھن ہے شمع بنے، مضطر ہے پگھل جانے کے لئے
ہر سنگ کا سینہ جلتا ہے، پارس میں بدل جانے کے لئے
انگاروں پہ شعلے لوٹتے ہیں، بجلی پہ تفوق پانے کو
چنگاریاں مرغ بسمل ہیں، تاروں کی جگہ کھل جانے کو
بے چین بگولا رقصاں ہے، آندھی پہ شرف پانے کے لئے
جو موج ہے پیچ و تاب میں ہے، دھارے سے اُلجھ جانے کے لئے
ہر قطرۂ دریا غلطاں ہے، موتی پہ تسلط پانے کو
ہر ذرۂ خاکی اڑتا ہے خورشید سے ٹکر کھانے کو
ہر دل میں خلش ہے پھولوں سے اُمید کا دامن بھرنے کی
ہر شے کی تڑپتی فطرت میں خواہش ہے ترقی کرنے کی

——(۲)——

فطرت کی ندا ہے یہ خواہش، ہمت جو دلوں میں بھرتی ہے
انساں کو بلندی کی جانب ہر وقت پکارا کرتی ہے
ہر قلب میں یوں ہی یہ جذبہ رفعت کی تمنا بھرتا ہے
جس طرح زمیں کا زور کشش اجسام کو کھینچا کرتا ہے
خواہش ہی تقاضا کرتی ہے، ہستی کی مہم سر کرنے کا
خواہش ہی اشارہ کرتی ہے، دنیا کو مسخر کرنے کا

—— (۳) ——

ہر چند یہ "خواہش" نادر ہے، لیکن یہ عجب نظارہ ہے
یہ حور بہشتی دنیا میں بے عقل سلیم آوارہ ہے
گو عقل کا استدلال غلط، تدبیر کو اُلجھا دیتا ہے
ہر حال میں لیکن "خواہش" اک شفاف درخشاں دریا ہے
اُس وقت بھی جب عصیاں کی بدولت دل میں کثافت رہتی ہے
انساں کے سینے میں "خواہش" لبریز لطافت رہتی ہے

—— (۴) ——

وہ چور جو شب کے پردے میں سرقے کی غرض سے آتا ہے
جی کھول کے جو بے رحمی سے اسباب اُٹھا لے جاتا ہے
ایک ایسی ہی خواہش اُس کو بھی چوری کے لئے اکساتی ہے
جس طرح کی "خواہش" نورانی دیوتاؤں میں پائی جاتی ہے
سارق بھی فرشتوں ہی کی طرح تسکین دلی کا جویا ہے
سارق نے مگر نادانی میں تسکین کا رستہ کھویا ہے
رہبر ہو، کہ رہزن، دونوں میں تسکین کی خواہش یکساں ہے
قسمت سے وہ سیدھی راہ پہ ہے، یہ راہ بھٹک کر حیراں ہے
عارف نے یہ سمجھا یک سوئی اشکوں کو گرا کر ملتی ہے
قاتل نے یہ سمجھا انساں کا وہ خون بہاکر ملتی ہے
صوفی نے یہ سمجھا وہ دل کے پیمانے میں مل جائے گی
مے کش کی سوجھ میں یہ آیا مے خانے میں مل جائے گی
پس ذوق طرب میں جو انساں رہتا ہے سدا مے خانوں میں
ہے اصل میں وہ بھی دنیا کے معصوم ترین افسانوں میں

(۵)

جال اُس پہ نہ ڈال اے صید فگن! وہ بام حرم کا طائر ہے
آیا ہے بھٹک کر دیر میں جو، گمراہ نہیں ہے زائر ہے

جتنے بھی زمیں پر مجرم ہیں "خواهش" ہی کے زیرفرماں ہیں
ہر جرم سیہ کے محضر پر "خواهش" کی مہریں تاباں ہیں

المختصر اِن تشریحوں سے ہم پر یہ حقیقت کھلتی ہے
کہتے ہیں جسے دنیا میں "بدی" بھٹکی ہوئی وہ اک نیکی ہے

ہوس

از

('جوش' ملیح آبادی)

تو رازِ فراغت کیا جانے محدود تری آگاہی ہے
اپنے کو پریشاں حال سمجھنا عقل کی یہ کوتاہی ہے

دولت کیا اِک روگ ہے دل کا حرص نہیں گمراہی ہے
دنیا سے بے پروا رہنا یہ سب سے بڑی بادشاہی ہے

اس قول کا میرے جانے گا جو صاحب دل ہے دانا ہے
کہتے ہیں جسے شاہنشاہی حاجت کا روا ہوجانا ہے

پینے کو میسر پانی ہے کھانے کے لئے ہے عمدہ غذا
تفریح کو سایہ جنگل کا صحت کی محافظ صاف ہوا

پوشش کے لئے ملبوس بھی ہے رہنے کو مکاں بھی ستھرا سا
اور اس کے سوا کیا حاجت ہے انصاف تو کر دل میں ذرا

راحت کے لئے جو ساماں ہیں قدرت نے بہم پہنچائے ہیں
اے بندۂ زر پھر تیری ہوس نے پاؤں یہ کیوں پھیلائے ہیں

دولت کا نتیجہ کلفت ہے سامان امارت ذلت ہے
جس دل میں ہوس کی کثرت ہے دور اس سے حقیقی راحت ہے
ارمان بہت ہیں کم کر دے ہستی یہ نہیں اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے انجام سراسر عبرت ہے

تاریخ تمہیں بتلائیگی " دنیا میں خوشی کا نام نہیں"
جس دل پہ ہوس کا سکہ ہے اس دل کے لئے آرام نہیں
صحت میں تری کچھ حرج نہیں اعضا میں ترے نقصان نہیں
پھر بھی یہ شکایت تجکو ہے اسباب نہیں سامان نہیں
انعام خدا کا منکر ہے اللہ پر اطمینان نہیں
تو حرص و ہوا کا بندہ ہے مضبوط ترا ایمان نہیں

دنیا کی حکومت تیری ہے اپنے کو گرا کیوں کہتا ہے
سامان فراغت حاضر ہے بے کار پریشاں رہتا ہے

یہ ابر یہ وادی یہ گلشن یہ کوہ و بیاباں یہ صحرا
یہ پھول یہ کلیاں یہ سبزہ یہ موسم گل یہ سرد ہوا
یہ شام کی دلکش تفریحیں یہ رات کا گہرا سناٹا
یہ پچھلے پہر کی رنگینی یہ نور سحر یہ موج ضیا
[illegible]ودہ کی کس کس بخشش کو منکر ہے کا چھپائے جائے گا
[illegible]ہ کی کس کس نعمت کو اے منکر دیں جھٹلائے گا
اللہ کی رحمت عام ہو سب یہ شاہ ہو اس میں یا ہوگدا
یہ چاند یہ سورج یہ تارے یہ نغمۂ بلبل یہ دریا

دونوں کے لئے یہ تحفے ہیں کچھ فرق اگر ہے تو اتنا
ان جلووں سے لذت پاتا ہے آزاد کا دل منعم کے سوا
شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہل صفا ہیں ان کے دل میں نور کا چشمہ بہتا ہے
آگاہ ہو جو تو چاہتا ہے دنیا میں نہیں وہ ہونے کا
اسباب طرب کا جو جانو سامان یہاں ہے رونے کا
دولت کو صلہ کیا سمجھا ہے اخلاق کی قوت کھونے کا
ایمان کے دل کا داغ ہے یہ سکہ یہ نہیں ہے سونے کا
کیا کرتا ہے نادان بھاگ ادھر سے نار ہے ان دیناروں میں
یوں ہاتھ نہ ڈال ان دوزخ کے تو دہکتے ہوئے انگاروں میں
اسباب تمول زنجیریں ایوان حکومت زنداں ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہے وحشت کا وہ سازوساماں ہے
سکّوں کی چمک پر مرتا ہے دولت کے لئے سرگرداں ہے
تو راز فنا معلوم تو کر دنیا کے لئے کیوں حیراں ہے
اس شے سے تعلق ہے کیسا جو چیز کہ جانے والی ہے
سامان تعیش جمع کئے جا موت بھی آنے والی ہے
آراستہ ہو کر جلووں میں جب سامنے دنیا آتی ہے
راحت کے ترانے گاتی ہے دولت کی چمک دکھلاتی ہے
جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہے
ایمان و یقیں کی شمع درخشاں بن کے دھواں اڑجاتی ہے
ملتا ہی نہیں ہے جسم سے پھر جب عضو کوئی کٹ جاتا ہے
بس یو نہیں ہوس کے بندے کا معبود سے دل ہٹ جاتا ہے
شاہوں کی امارت جسمانی، قانع کی حکومت روحانی
ظاہر کی حسرت سلطانی، آزاد کی لذت وجدانی

دنیا کے تماشے عبرت زا عقبیٰ کے مناظر لا ثانی
مرنے میں حقیقی آزادی جینے میں سرا سر حیرانی
بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ میں نام جہاں میں کر جانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے موت سے پہلے مر جانا
آرام کی خواہش مہمل ہے یہ قبر نہیں ہے دنیا ہے
یہ زیست نہیں ہے کلفت ہے یہ سانس نہیں ہے ایذا ہے
آگاہ ہو اے نادان کدھر تو پیاس بجھانے جاتا ہے
ذروں کی چمک کا یہ چشمہ یہ ریگ رواں کا دریا ہے
سن 'جوش' کی باتیں غور سے تو مشتاق نہ بن اس ارذل کا
اے دوست یہ دنیا سایہ ہے گرمی کے پریشاں بادل کا

—•—

ندی کا راگ

از

(مولوی ظفر علی خاں صاحب)

ٹیلوں اور چھوں کے نشیمن سے میں نکل کر ناگہاں
شم زدن میں سیل بلا کی طرح جیپتی کر آتی ہوں
کتنی گھاٹیوں کے دامن کو راہ میں آئی جھٹک کر میں
کتنے ٹیکروں اور ٹیلوں کے تلوے میں سہلاتی ہوں
سیوں گاؤں اور قصبوں کے پہلو سے نکلی مٹک کر میں
کتروں پل ہیں مٹھی میں دل جن کا چرا کر لاتی ہوں

زیر کے کھیت کے نیچے بہ کر تھوڑی سی دور پہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمر و زید کی ہستی ہی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار
مجھکو دیکھو کہ ایک روش پر صبح ومسا چلی جاتی ہوں

پاؤں پہ جھانجھ بھنور کی پہنے اوڑھے لطافت کی چادر
چھم چھم کرتی ہوئی آپ اپنے حسن میں اترا تی ہوں
بن کر میں مشاطہ کبھی اُلجھاتی ہوں گیسوے ساحل کو
کھیتوں کا دھو آتی ہوں منہ میدانوں کو نہلاتی ہوں
اور کبھی ساقی بن کے مرتب کرتی ہوں سبزہ کی محفل کو
ساغر نامیہ بھر کے بنفشہ اور سمن کو پلا تی ہوں
گاتی بجاتی جشن مناتی تھوڑی سی دور پہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمر و زید کی ہستی ہی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار
مجھکو دیکھو کہ ایک روش پر صبح ومسا چلی جاتی ہوں

زیب بدن کر کے آب رواں کا پاک اور صاف لباس
ساحت ہاموں پر جس دم بل کھاتی ہوئی اٹھلاتی ہوں
اپنے آنچل میں بھر لاتی ہوں کہیں پھول اور کہیں گھاس
گودیوں میں رھوکو کبھی جھینگے کو کبھی میں کھلا تی ہوں
لوٹتے لوٹتے میں بستر پہ سنہری کنکروں کے
میں ٹکرا کے کسی پتھر سے روپہلی چھینٹیں اڑاتی ہوں
بہتی بس اس انداز سے تھوڑی سی دور پہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمر و زید کی ہستی ہی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار
مجھکو دیکھو کہ ایک روش پر صبح ومسا چلی جاتی ہوں

سورج کی کرنوں کو اپنے ریت کے تاپوؤں پر پیہم
رقص میں لاکر زہرہ کو افلاک پہ میں شرماتی ہوں

جھاڑوں میں جھنکاڑوں میں صحراؤں میں ویرانوں میں سدا
چاند کو اور تاروں کو میں اپنا میٹھا راگ سناتی ہوں

اپنی ریت کی مینڈوں میں کچھ دیر کو لیتی ہوں سستا
اپنے کنارے کی بوٹیوں سے دم بھر کو میں دل بہلاتی ہوں

کاٹتی ہوں اک چکر پھر اور تھوڑی سی دور پہ آخر کار
جاکے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں

عمر و زید کی ہستی ہی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار
مجھ کو دیکھو کہ ایک روش پر صبح و مسا چلی جاتی ہوں

بارش

از

(مولوی ظفر علی خاں صاحب)

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوے وردی ہری بانات کی

آفتاب اوڑھے ہوے تھا چادر ابر سیاہ
برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے میں دو نا سفتہ برسا نے لگے
داستان قلزم و عمان کو دہرانے لگے

جھوم کر اٹھی گھٹا، برسی، برس کر پھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے منہ سے فوراً ہٹ گئی
بادلوں سے نور خورشید اس طرف چھننے لگا
سائباں قوس قزح کا اُس طرف تننے لگا
سبزہ زاروں میں کُلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن
تھا مہابن کا ہر اک کونا ختن اندر ختن
جنگلوں میں مست ہوکر ناچتے پھرتے تھے مور
کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور
ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب
تھی شفق کی اُس کے منہ پر ایک نارنجی نقاب
یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دل فریب
ہاتھ سے جاتا رہا دل میرے اور دل سے شکیب
عالم از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہوگیا
جوش مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہوگیا

—— * ——

پیت کی ماری ستی شاعرہ روپامتی

از

(مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب)

[نوٹ :- روپامتی کا احوال ایک دلکش فسانہ ہے - یہ عہد اکبر کی ایک ہندو خاتون تھی اور باز بہادر کی بیوی، باز بہادر مالوہ کا آخری خود مختار مسلمان حکمران تھا - روپامتی نے

سات برس اپنے شوہر کے ساتھ چین سے گذارے ۔
باز بہادر کو موسیقی سے عشق تھا ، اور روپامتی
سریلے گیت لکھتی تھی - سنہ ۱۵٦۰ ع میں
اکبر نے آدم خاں کی سر کردگی میں ایک
لشکر مالوہ پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا ،
باز بہادر نے بھی مقابلے کے لئے فوجیں اکٹھی
کیں لیکن لشکر کا لشکر اس کو تنہا چھوڑ
تتر بتر ہوگیا - باز بہادر نے اس کور نمکی کو
دیکھا تو خود بھی بھاگ کھڑا ہو - روپامتی
کی موت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں
ایک تو یہ ہے کہ وہ آدم خاں سے راضی ہوگئی تھی لیکن
وقت مقررہ پر کیا دیکھتے ہیں کہ جھم جھم کا
لباس پہنے پلنگ پر خواب عدم میں ہے -
اس نے زہر پی لیا تھا - دوسری روایت یہ ہے کہ
باز بہادر نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی حرم کی
سب بیویاں بصورت شکست تہ تیغ کردی
جائیں - سپاہیوں نے اس حکم کے مطابق
روپا متی کو بھی اوروں کے ساتھ ہلاک کردیا
تھا - روپامتی زخمی ہوئی تھی لیکن آدم خاں
کے پہنچنے تک زندہ تھی - روپا متی نے اپنے
زخم کی مرہم پٹی کرنے دی - خیال
تھا کہ اسے باز بہادر کے پاس بھیجدیا جائے -
جب اسے یہ معلوم ہوا کہ آدم خاں اس کو اپنی
حرم میں رکھنا چاہتا ہے تو اس نے زہر کھا
لیا - ایک اور روایت یہ ہے کہ روپا متی
نے اپنے آپ خنجر مار لیا تھا - بازبہادر پہاڑوں

میں جا چھپا اور تھوڑے دنوں کے بعد دھلی
پہنچا - اور اکبر کے دربار میں حاضر ہوا -
اکبر مراحم خسروانہ سے پیش آیا اور بازبہادرکو
فوج میں منصب جلیلہ عطا کیا - روپا متی کے
کلام کے کسی مجموعے کا ابھی تک پتہ نہیں
چلا ہے حالانکہ اس کے گیت مالوہ میں
بہت مقبول ہیں]

—(۱)—

کامنی کومل تھی تو   حسن رسیلا ترا
کوکتی کویل تھی تو   شبد سریلا ترا
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا متی

—(۲)—

عشق کی دیوی تھی تو   شعر میں یکتا تھی تو
حسن کی پتلی تھی تو   ایک کویتا تھی تو
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپامتی

—(۳)—

باز بہادر ترا   حسن کا شیدا رہا
تونے اسے دل دیا   ایک سراپا وفا
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپامتی

—(۴)—

خوب تھی قسمت تری   سات برس عیش تھے
شعر و سخن موسیقی   حسن، حکومت، مزے
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا متی

—— (۵) ——

دکھ کی جو آئی گھڑی اور چھڑی راگنی
دن تھا نہ وہ رات تھی عیش کی محفل اُٹھی
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا ستی

—— (۶) ——

اکبری لشکر کی موج ایسی اُمنڈ آئی تھی
باز بہادر کی فوج بکھری پھٹی کائی سی
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا ستی

—— (۷) ——

باز بہادر ترا جان چھپا اُڑ گیا
آنچ میں تالا گیا تیرا دل با وفا
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا ستی

—— (۸) ——

باز بہادر کا تھا تیرا جو دل ہوچکا
اور کسی کا بھلا ہوسکے ممکن نہ تھا
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا ستی

—— (۹) ——

ایک طرف تھی وفا ایک طرف جان تھی
سچ کا تقاضا یہ تھا جان ہی قربان کی
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا ستی

—— (۱۰) ——

موت تری موت تھی عشق کی دیوی تری

موت وہ تھی جان بھی جس پہ ھے قربان کی
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا متی

—— (۱۱) ——

کوئی زبردست ھاتھہ تیری کڑی جھیلتا
دل کوئی مردانہ ساتھہ جان پہ یوں کھیلتا
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپامتی

—— (۱۲) ——

چاہ کا اپنی دیا ایسا دیا ھے جلا
اور بھی دے گا جلا سانس اسے وقت کا
پیت کی ماری ستی شاعرہ روپا متی

بلبل اسیر

از

(احمد علی صاحب شوق قدوائی)

چھاتی قفس میں داغ سے ھو کیوں نہ رشک باغ
جوش بہار تھا کہ ھم آے اسیر ھو

مجھہ کو نہ دے ھمصفیر مژدۂ فصل بہار
آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار
یاد ھیں وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں
آہ وہ طرف چمن اور وہ سر شاخسار

نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا
آئی نسیم سحر باغ میں مستانہ وار

یوں دہن غنچہ سے، قطرۂ شبنم گرے
دود اُگلنے لگے جیسے کوئی شیر خوار

آئی کسی شاخ سے، ایسی سریلی صدا
جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار

بھیرویں اُڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف
تانے اُڑانے لگی اونچے سروں میں ہزار

مرغ چمن اُڑکے سب نغمہ سرا جس طرح
کوک دے ارگن کوئی اور الاپے بہار

تجھ سے کہاں تک کہوں قصۂ و درد و راز
ہم اسی حیرت میں اتنے میں اک دامدار

لے کے کوئی دام سخت، آگیا گلزار میں
ہم جو ہیں اُڑنے لگے ہوگئے اُس کے شکار

آہ وہ آزادیاں راس نہ آئیں ہمیں
عہد مسرت مگر ہم سے نہ تھا استوار

اس کو ہوئیں مدتیں ہم ہیں اسیر قفس
اب ہیں نہ وہ چہچہے اور نہ باغ و بہار

سامنے ہے یہ قفس اور یہی تیلیاں
ہے یہی آب و ہوا اور یہی لیل و نہار

قید میں گذری ہے عمر چھوٹنے سے یاس ہے
مرگ کی ہے آرزو موت کا ہے انتظار

آہ کہ طبع چمن ہم سے موافق نہ تھی
آہ مزاج بہار ہم سے نہ تھا ساز وار

حالت مرغ اسیر تجھ سے کہوں کیا جگر
دیدۂ عبرت سے ہیں اشک رواں بار بار

پھول کی فریاد

از

(احمد علی صاحب شوق قدوائی)

کیا خطا میری تھی ظالم تونے کیوں توڑا مجھے
کیوں نہ میری عمر ہی تک شاخ میں چھوڑا مجھے
جانتا گر اس ہنسی کے درد ناک انجام کو
میں ہوا کے گدگدانے سے نہ ہنستا نام کو

شاخ نے آغوش میں کس لطف سے پالا مجھے
تو نے ملنے کے لئے بستر پہ لا ڈالا مجھے
میری خوشبو سے بسائے گا بچھونا رات بھر
صبح ہوگی تو مجھے تو پھینک دے گا خاک پر

پتیاں اُڑتی پھریں گی منتشر ہوجائیں گی
رفتہ رفتہ خاک میں مل جائیں گی کھو جائیں گی
تو نے میری جان لی دم بھر کی زینت کے لئے
کی جفا مجھ پر فقط تھوڑی سی فرحت کے لئے

دیکھ میرے رنگ کی حالت بدل جانے پہ ہے
پتی پتی ہو چلی بے آب مرجھانے پہ ہے
پیڑ کے وہ سبز پتے رنگ میرا اُن میں لال
جس طرح کاھی دو پتے میں کسی گارو کے گا

جس کی رونق تھا میں بے رونق وہ ڈالی ہوگئی
حیف ہے بچے سے ماں کی گود خالی ہوگئی
تتلیاں بے چین ہوں گی جب نہ مجھکو پائیں گی
غم سے بھونرے روئیں گے اور بلبلیں چلائیں گی
دودھ شبنم نے پلایا تھا ملا وہ خاک میں
کیا خبر تھی یہ کہ ہے بے رحم گلچیں تاک میں
مہر کہتا ہے مری کرنوں کی سب محنت گئی
ماہ کو غم ہے کہ میری دی ہوئی رنگت گئی
دیدہ حیراں ہے کیاری باغباں کے دل پہ داغ
شاخ روتی ہے کہ ہے ہے گل ہوا میرا چراغ
میں بھی فانی تو بھی فانی سب ہیں فانی دھر میں
اک قیامت ہے مگر مرگ جوانی دھر میں
شوق کیا کہتے ہیں تو سن سمجھ لے مان لے
دل کسی کا توڑنا اچھا نہیں تو جان لے

ماتم بلبل

[ایک مسلمان خاتون کے قلم سے]

" یہ بلبل کا غم ہے نہ مضمون خیالی "
ذرا دیکھ اپنے چمن کو تو مالی
نظر آرہا ہے یہ کچھ خالی خالی
نہ پھولوں کا ہنسنا نہ بلبل کا رونا
نہ رنگیں جمالی نہ شیریں مقالی

پڑی مردہ کُنج قفس میں ہے بلبل
وہ ہر دل کی پیاری وہ نازوں کی پالی
نشاں ضرب کے ہیں تن نازنیں پر
یہ گلچیں نے جان اسکی کیوں بے خطا لی
یقیناً جب اس نے گل تر کو توڑا
تو شیون سے اس نے اک آندھی اٹھا لی
یہی ہاں یہی ننھی منی سی چڑیا
کہ کل جس نے یوں راہ ملک بقا لی
نظر اس پہ رکھتی تھی جس کے مکان تک
گیا ہے نہ جائے کا پیک خیالی
زمانے میں تھا شور اس کی فغاں کا
ثنا گر تھے اس کے ادانی اعالی
طیور چمن مرتے تھے اس کی لے پر
غرض جان گلزار تھی مرنے والی
برے وقت میں کوئی آڑے نہ آیا
کہاں تھے یہ گل کے اہالی موالی
یہ سوسن نے گونگے کا کھایا تھا کیوں گُڑ
نہ کچھ بات اس نے زباں سے نکالی
یہ کہتی کہ ظالم ذرا تو خدا سے
یہ تھی بات سیدھی نہ طعنہ نہ گالی
رہیں مہر برلب نہ کچھ منہ سے پھوٹیں
اب ایسی بھی کلیاں نہ تھیں ننی بالی
نہ سمجھو کہ ہے بیخبر اس ستم سے
خداوند قدوس کی ذات عالی

ستم کا عوض لے گا اور جلد لے گا
وہ بیکس کا وارث وہ بیکس کا والی
مگر شان قہر خداوند کے ہیں
کرشمے انوکھے ادائیں نرالی
شکنجے میں کستا ہے وہ ڈھیل دے کر
کہ ہے بے پناہ اس کی شان جلالی
بہت جلد خوں رنگ لائے گا اس کا
نہ فریاد بلبل کی جائے گی خالی
پڑیں گے اسے اپنے جینے کے لالے
چھپے گی نہ گلچیں کے دامن کی لالی

بلبل کا ذوق آزادی

از

(مولوی غلام بھیک صاحب نیرنگ)

قفس میں بلبل نالاں کی بیتابیاں دیکھیں
تو از راہ عنایت ایک دن صیاد یوں بولا
یہ بیتابی تری اے مشت پر ہے سخت نادانی
یہ راحت ہے سراسر جس کو تونے قید ہے سمجھا
وہ تیرا آشیانہ جس کو تو دن رات روتی ہے
وہ آخر کیا تھا اک تنکوں کا بے ڈھنگا سا ڈھوڈا تھا

قفس کو دیکھو کاریگر نے کیا اچھا بنایا ہے
تناسب کا نمونہ خوبصورت خوشنما ستھرا
عبث اس وحشیانہ زندگی کو یاد کرتی ہے
نہیں افسوس تجھ پر کچھ اثر عہد ترقی ہے
کبھی صرصر کے حملے تھے کبھی تھے برق کے دھاوے
وہ تیرا آشیانہ آفتوں کا اک نشانہ تھا
محافظ کون تیری جان کا تھا صحن گلشن میں
کوئی طائر شکاری تجھ کو چپکے سے جھپٹ لیتا
قفس کیا ہے حصار عافیت ہے تو اگر سمجھے
نہ اندر سے کوئی ڈر ہے نہ باہر سے کوئی کھٹکا
ہوا اور روشنی اور دانہ پانی سب میسر ہے
مزے سے چہچہا اور حمد خالق کے ترانے گا
یہ فریاد و فغاں و آہ - ناشکروں کی باتیں ہیں
اری ناداں! تجھے ممنون ہونا چاہئے میرا
کہا بلبل نے اے صیاد مشفق سچ کہا تو نے
تری راحت میں کیا شک ہے تری شفقت کا کیا کہنا
مگر حب وطن اور ذوق آزادی عجب شے ہے
چمن کی یاد دل سے جا نہیں سکتی کبھی اصلا
پرائے دل کا دکھ اے مہرباں ایساہی ہوتا ہے
کسی کو کیا خبر ہے دوسرے پر کیا قلق گذرا
حقیقت میری بیتابی کی تجھ پر تب عیاں ہوتی
کہ میں صیاد ہوتی اور تو گرفتار قفس ہوتا

بلبل کی فریاد

از

(منشی تلوک چند محروم)

صیاد نے چھڑایا جس دن سے آشیانہ
پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانہ

گلزار سے نکالا قید قفس میں ڈالا
بیداد کچھ نہ سمجھا ظالم نے کچھ نہ جانا

آزاد تھا کبھی میں دل شاد تھا کبھی میں
تھے وہ بھی دن الٰہی وہ بھی تھا اک زمانہ

روتا ہوں خوں کے آنسو آتا ہے یاد جس دم
غنچوں کا مسکرانا پھولوں کا کھلکھلانا

موج صبا کا چلنا تھم تھم کے ہر روش پر
شاخوں کا جھوم جانا سبزے کا لہلہانا

وہ جانفزا ہوائیں وہ دل کشا گھٹائیں
مرغان ہمنوا کا ساون کے گیت گانا

بارش کی وہ پھوہاریں برسات کی بہاریں
پتلی سی ٹہنیوں پر وہ جھولنا جھلانا

صحن چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں
دل میں سرور آنا آنکھوں میں نور آنا

وہ شام کے نظارے جگنو وہ پیارے پیارے
وہ صبح کے ستارے اُن کا وہ جھلملانا

اُس قید بیکسی میں کب تھا خیال مجھکو
مل جائیں کاش واپس وہ ماہ و سال مجھکو

ایام کے ستم کی کڑیاں اٹھا رہا ہوں
بیداد سہہ رہا ہوں دکھ درد پا رہا ہوں

مجھ بے زباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا
ہرچند چیخ کر میں دکھڑا سنا رہا ہوں

قسمت کو رو رہا ہوں میں اور یہ ستمگر
دل میں سمجھ رہا ہے خوش ہوکے گا رہا ہوں

اک آگ سی لگی ہے یاد وطن کی دل میں
رو رو کے آنسوؤں سے اُس کو بجھا رہا ہوں

سب ہمصفیر میرے خوشیاں منا رہے ہیں
تن تن کے اڑ رہے ہیں اُڑ اُڑ کے گا رہے ہیں

میرا نصیب مجھ سے گر سازگار ہوتا
میں بھی ترانہ سنج فصل بہار ہوتا

پھولوں کی انجمن سے ہوتی اگر نہ دوری
یہ دل مرا نہ ہرگز یوں داغدار ہوتا

شبنم کے وہ نظارے آنکھوں سے گر نہ چھپتے
کیوں زار زار روتا کیوں اشکبار ہوتا

اس قید سے رہائی ممکن اگر نہیں ہے
میرا بھی کچھ تو چاہا پروردگار ہوتا

شاخ نہال پر یا پنجرا مرا لٹکتا
پنجرے میں یا ہجوم سرو چنار ہوتا

پنجرے کا آب و دانہ یارب ہے زہر مجھ کو
کھانا عذاب جاں ہے پینا ہے قہر مجھ کو

اے کاش جاکے بیٹھوں پھر کنج دلنشیں میں
گاتا پھروں ترانے گلشن کی سر زمیں میں
سوز نہاں بجھاؤں جوئے چمن پہ جاکر
پھر جا ملوں میں اپنے یاران دانہ چیں میں
یہ تیلیاں قفس کی اے کاش پھونک ڈالوں
اتنا اثر تو یارب! ہو آہ آتشیں میں
اُجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا
اب کے جو تھا بسایا گلہائے یاسمیں میں
کب ہو مجھے رہائی کب آشیاں میں پہنچوں
اپنے وطن میں پہنچوں اپنے مکاں میں پہنچوں

کالی ناگن

از

(مولوی سید ہاشمی صاحب)

جو آدھی رات کی رانی ہے اور پرجا جس کی جاتی ہے
ایک بانکا تاج دھرے سر پر وہ کالی ناگن آتی ہے
ہے اس کی ایک ایک ہال میں گت، ہے اُس کی ساری چال نرت
ہر جنبش پر بالی کی کمر بل کھاتی لچکی جاتی ہے

یا ہے وہ اُمنگ جوانی کی اور باہیں پھیلی ترتی ہے
یا موج ہے بہتے پانی کی اور اہلی کھلی پھرتی ہے

کچھہ شرم ھے کچھہ خود آرائی ' ھے نشۂ مے کی انگڑائی
بن بن البیلی گھلتی ھے اُٹھہ اُٹھہ متوالی گرتی ھے

دو نین کٹورے زھر بھرے آنکھوں آنکھوں میں تستی ھے
جو آیا زد میں پھر نہ ھلا ' وہ ظالم سحر کی بستی ھے
قاتل تیور کافر چتون ایک کالی بجلی سارا بدن
یا کرشن کا اودا جوبن یا پاربتی کی مستی ھے

وہ حسن سیہ کی بن کے سناں سینوں کے پار گزرتی ھے
پر آپ مہک پر ھے قربان اور اچھے راگ پہ مرتی ھے
کف منہ میں ھیں مجنونانہ اور ساری ادائیں مستانہ
بے تاب ھے عشق کی سوزش سے دم دم پھنکارے بھرتی ھے

جوگی

از

(جناب خوشی محمد خان صاحب ' ناظر ')

کل صبح کے مطلع تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ھوا
سب چاند ستارے ماند ھوئے خورشید کا نور ظہور ھوا
مستانہ ھوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی
ھر وادی وادیٔ ایمن تھی ھر کوہ پر جلوہ طور ھوا

جب باد صبا مضراب بنی ہر شاخ نہال رباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و چمن طنبور ہوا
سب طائر مل کر گانے لگے عرفان کی تانیں اُڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماع طیور ہوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزم سرور سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرش سنجاب و سمور ہوا

تھا دلکش منظر دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا 'ناظر' دیوانہ

چپلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پہ چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کُہر نے قنات لگائی تھی
یاں برف کے تودے لگتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھی
یاں قلۂ کوہ پہ رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیرا ھن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیب کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلق خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی

جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کے میں نے سلام کیا
تب آنکھ اُٹھا کر 'ناظر' سے یوں بن باسی نے کلام کیا

کیوں بابا ناحق جوگی کو تم کس لئے آکے ستاتے ہو
میں پنکھہ پکھیروں بن باسی تم جال میں آن پھنساتےہو
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعویٰ گھوڑے ھاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو آکے سناتے ہو
ہم حرص و ھوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے منہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لاکے وہی پہناتے ہو
تم پوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ساجن کی
ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اس کو آکے بجھاتے ہو
سنسار سے یاں مکھہ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھہ لڑائی پیتم سے تم کس سے آنکھہ ملاتے ہو
اس مست قلندر جوگی نے جب ' ناظر ' کو یہ عتاب کیا
کچھہ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا

ہم ہیں پردیسی سیلانی مت ناحق جوش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پر میل نہ لا جوگی
آبادی سے منہ پھیرا کیوں پربت میں رکھا ہے ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں نور خدا جوگی
کیا مندر میں کیا مسجد میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
پربت میں نگر میں ساغر میں ہر اترا ہے ہر جا جوگی
جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساغر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی
واں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا ...و گی بازار میں دھونی رما جوگی

ان چکنی چپڑی باتوں سے مت جوگی کو پھسلا بابا
جو آگ بجھائی چتون سے مت اس پہ تیل گرا بابا
ہے شہر وں غل شور بہت اور حرص و ہوا کا شور بہت
ہے نگری ڈگری کثرت کی بن وحدت کا دریا بابا
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں پرجا کی نہیں پروا بابا
سر پر آکاس کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے شب کو تاروں کی سبھا بابا
جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں گاتی ہے ملار ہوا بابا
یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں پیتم کی سندیس سناتے ہیں
یاں روپ انوپ دکھاتے ہیں پھل پھول اور برگ و گیا بابا
ہے پیٹ کا ہر دم دھیان تمہیں اور یاد نہیں بھگوان تمہیں
سل پتھر اینٹ مکان تمہیں دیتے ہیں سکھ سے چھڑا بابا
تن من کو دھن میں لگاتے ہو پیتم کو دل سے بھلاتے ہو
مٹی میں لعل گنواتے ہو تم بندۂ حرص و ہوا بابا
دھن دولت آنی جانی ہے یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالمِ فانی ہے باقی ہے ذات خدا بابا

--- * ---

مروجہ شاعری

از

(مولوی محمد اسمعیل صاحب)

سخنوران زماں کی بھی ہے یہی حالت
کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انہیں مضمون
سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اِک طومار
تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ
کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جس کو سو سو بار
نہ لکھتے ہیں کبھی نیرنگ حکمت و قدرت
نہ واقعات کے وہ کھینچتے ہیں نقش و نگار
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ
کہ جھوٹ موٹ کے بن جائیں ایک عاشق زار
صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار
ستم شعار، دل آزار بے وفا، مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کمر
بجائے زلف کے دو اژدھوں کی ہے پھنکار
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول
پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگس بیمار
جو نون ھلال کی محراب ہے خم ابرو
تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا
بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار

شب فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر
تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

جو ناصحوں سے ہے کھٹ پٹ تو زاہدوں سے چخ
جو ساقیوں سے لگاوٹ تو مغبچوں سے پیار

غریب شیخ پہ ہر دم دولتیاں جھاڑیں
کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

کہاں ہے ان کا ٹھکانا کدھر ہے ان کا مقام
وہی ہے بیت صنم اور خانۂ خمار

بگھارتے ہیں تصرف تو کون دے گا داد
کہاں ہیں سعدی و حافظ - سنائی و عطار

کریں گے اس قدر ایمان و دین کی تفضیح
کہ گویا ہیں کوئی ہفتاد پشت کے کفار

اگرچہ ہاتھ میں تسبیح لب پہ ہو توبہ
بنیں گے شعر میں ہاں مے پرست و بادہ گسار

جمال یوسف و اعجاز عیسیٰ و موسیٰ
ہیں ان کی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ ان کی نور بھری شاعری خدا کی مار